بغیر اجازت

سعادت حسن منٹو

بغیر اجازت

سعادت حسن منٹو

بغیر اجازت

سعادت حسن منٹو

ناشران
انتخابِ ادب ۱۰- ایبک روڈ، انارکلی لاہور

ناشر ______ ظفر احمد قریشی

______ ڈاکٹر بلیغ الدین جاوید

مطبع ______ نامی پریس پیسہ اخبار لاہور

تعداد ______ ایک ہزار

قیمت ______ ۱۵ روپے

انتخابِ ادب

۱۰- ایبک روڈ انارکلی، لاہور

آہ! منٹو!

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ

تاریخ وفات

۸ر جنوری ۱۹۵۵ء کی صبح

ظفر احمد قریشی

فہرست

سونے کی انگوٹھی

"چھتّے کا چھتّہ ہوگیا آپ کے سر پر ۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بال نہ کٹوانا کہاں کا فیشن ہے ۔۔۔؟"

"فیشن ویشن کچھ نہیں ۔۔۔ تمہیں اگر بال کٹوانے پڑیں تو قدرِ عافیت معلوم ہو جائے ۔۔۔"

"میں کیوں بال کٹواؤں ۔۔۔"

"کیا عورتیں کٹواتی نہیں ۔۔۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسی موجود ہیں جو اپنے بال کٹواتی ہیں ۔۔۔ بلکہ اب تو یہ فیشن بھی چل نکلا ہے کہ عورتیں مردوں کی طرح چھوٹے چھوٹے بال رکھتی ہیں ۔۔۔"

"لعنت ہے ان پر ۔۔۔"

"کس کی ۔۔۔؟"

"خدا کی اور کس کی ۔۔۔ بال تو عورت کی زینت ہیں ۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عورتیں کیوں اپنے بال مردوں کی مانند بنوالیتی ہیں

پھر پتلونیں پہنتی ہیں ـــــ نہ رہے ان کا وجود دنیا کے تختے پر ـــــ"

" وجود تو خیر آپ کی اس بد دعا سے ان نیک بخت عورتوں کا دنیا کے اس تختے سے کسی حالت میں بھی غائب نہیں ہو گا ـــــ ویسے ایک چیز سے مجھے تم سے کُلّی اتفاق ہے کہ عورت کو پتلون جیسے سیلکس کہتے ہیں نہیں پہننی چاہیئے ـــــ اور سگریٹ بھی نہیں پینے چاہیئں۔"

" اور آپ ہیں کہ دن میں پورا ایک ڈبہ پھونک ڈالتے ہیں ـــــ"

" اس لئے کہ میں مرد ہوں ـــــ مجھے اس کی اجازت ہے "

" کس نے دی تھی یہ اجازت آپکو ـــــ میں اب آئندہ سے ہر روز صرف ایک ڈبیا منگا کر دیا کروں گی ـــــ"

" اور وہ جو تمہاری سہیلیاں آتی ہیں ان کو سگریٹ کہاں سے ملیں گے؟"

" وہ کب پیتی ہیں ـــــ؟"

" اتنا سفید جھوٹ نہ بولا کرو ـــــ ان میں سے جب بھی کوئی آتی ہے تم میرا سگریٹ کا ڈبّہ اٹھا کر اندر لے جاتی ہو ـــــ ساتھ ہی ماچس بھی ـــــ آخر مجھے آواز دے کر تمہیں بلانا پڑتا ہے اور میرا ڈبہ مجھے واپس مل جاتا ہے اس میں سے پانچ چھ سگریٹ غائب ہوتے ہیں ـــــ"

" پانچ چھ سگریٹ ـــــ یہ جھوٹ تو آپ بول رہے ہیں ـــــ وہ تو بیچاریاں مشکل سے ایک سگریٹ پیتی ہیں ـــــ"

"ایک سگریٹ پینے میں انہیں مشکل کیا محسوس ہوتی ہے۔"

"میں آپ سے بحث کرنا نہیں چاہتی — آپ کو تو اور کوئی کام ہی نہیں سوائے بحث کرنے کے —"

"ہزاروں کام ہیں — تم کون سے ہل چلاتی ہو — سارا دن پڑی سوئی رہتی ہو —"

"جی ہاں — آپ تو چوبیس گھنٹے جاگتے اور وظیفہ کرتے رہتے ہیں —"

"وظیفے کی بات غلط ہے — البتہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں صرف رات کو چھ گھنٹے سوتا ہوں —"

"اور دن کو —"

"کبھی نہیں — بس آنکھیں بند کر کے تین چار گھنٹے لیٹا رہتا ہوں کہ اس سے آدمی کو بہت آرام ملتا ہے — ساری تھکن دور ہو جاتی ہے۔

"یہ تھکن کہاں سے پیدا ہوتی ہے۔ آپ کونسی مزدوری کرتے ہیں۔"

"مزدوری ہی تو کرتا ہوں — صبح سویرے اٹھتا ہوں — اخبار پڑھتا ہوں — ایک نہیں سیر — پھر ناشتہ کرتا ہوں۔ نہاتا ہوں اور پھر تمہاری روزمرہ کی چخ چخ کے لئے تیار ہو جاتا ہوں —"

"یہ مزدوری ہوئی —" اور آپ یہ تو بتائیے کہ روزمرّہ کی چخ کا الزام کہاں تک درست ہے —"

"جہاں تک اسے ہونا چاہیئے — شروع شروع میں — میرا مطلب شادی کے بعد دو برس تک بڑے سکون میں زندگی گزرتی رہی تھی لیکن پھر ایک دم تم پر کوئی ایسا دورہ پڑا کہ تم نے ہر روز مجھ سے لڑنا جھگڑنا اپنا معمول بنالیا — پتہ نہیں اس کی وجہ کیا ہے۔"

"وجہ ہی تو مردوں کی سمجھ سے ہمیشہ بالاتر رہتی ہے — آپ لوگ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے —"

"مگر تم سمجھنے کی مہلت بھی دو — ہر روز کسی نہ کسی بات کا شوشہ چھوڑ دیتی ہو —" بھلا آج کیا بات تھی جس پر تم نے اتنا چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

"گویا یہ کوئی بات ہی نہیں کہ آپ نے پچھلے چھ مہینوں سے بال نہیں کٹوائے اپنی اچکنوں کے کالر دیکھئے — میلے چکٹ ہو رہے ہیں —"

"ڈرائی کلین کراؤں —"

"پہلے اپنا ڈرائی کلین کرائیے — وحشت ہوتی ہے اللہ قسم آپ کے بالوں کو دیکھ کر — جی چاہتا ہے مٹی کا تیل ڈال کر ان کو آگ لگا دوں —"

"تاکہ میرا خاتمہ ہی ہو جائے — لیکن مجھے تمہاری اس خواہش پر کوئی بھی اعتراض نہیں — لاؤ باورچی خانے سے مٹی کے تیل کی بوتل — آہستہ آہستہ میرے سر میں ڈالو، اور ماچس کی تیلی جلا کر اس کو آگ دکھا دو — خس کم جہاں پاک"

"یہ کام آپ خود ہی کیجئے — میں نے آگ لگائی تو آپ یقیناً کہیں گے

کہ تمہیں کسی کام کا سلیقہ نہیں ۔"

"یہ تو حقیقت ہے کہ تمہیں کس بات کا سلیقہ نہیں ۔ کھانا پکانا نہیں جانتے سینا پرونا تمہیں نہیں آتا ۔ گھر کی صفائی بھی تم اچھی طرح نہیں کر سکتیں ، بچوں کا پرورش ہے تو اس کا تو اللہ ہی حافظ ہے ۔"

"جی ہاں ۔ بچوں کی پرورش تو اب تک ماشاء اللہ آپ ہی کرتے آئے ہیں میں تو بالکل ہی نکمی ہوں ۔"

"میں اس معاملے میں کچھ اور نہیں کہنا چاہتا ۔ تم خدا کے لئے اس بحث کو بند کر دو ۔"

"میں بحث کہاں کر رہی ہوں ۔ آپ تو معمولی باتوں کو بحث کا نام دے دیتے ہیں"

"تمہارے نزدیک یہ معمولی باتیں ہوں گی ! مگر خدا کی قسم ! تم نے میرا دماغ چاٹ لیا ہے ۔ میرے سر پر ہمیشہ اتنے ہی بال رہے ہیں ۔ اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ مجھے اتنی فرصت نصیب نہیں ہوتی کہ حجام کے پاس جاؤں ۔"

"جی ہاں ۔ آپکو اپنی عیاشیوں سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے ۔"

"کن عیاشیوں سے ۔ !"

"آپ کام کیا کرتے ہیں ۔ کہاں ملازم ہیں ۔ کیا تنخواہ پاتے ہیں ۔"

"ملازمت کیا ضروری ہے ۔ میں تو اس کو بہت بڑی لعنت سمجھتی ہوں ۔"

"آپ کو تو ہر وہ کام بہت بڑی لعنت معلوم ہوتا ہے جس میں آپکو محنت

مشقت کرنی پڑے ۔"

"میں کیا محنت مشقت نہیں کرتا ــــ ابھی پچھلے دنوں اینٹیں سپلائی کرنے کا میں نے جو ٹھیکہ لیا تھا۔ جانتی ہو میں نے دن رات ایک کر دیا تھا ۔"

"گدھے کام کر رہے ہیں آپ تو سوتے رہے ہوں گے ۔"

"گدھوں کا زمانہ گیا ــــ لاریاں کام کر رہی تھیں ــــ اور مجھے ان کی نگرانی کرنا پڑتی تھی ــــ دس کروڑ اینٹوں کا ٹھیکہ تھا ــــ مجھے ساری رات جاگنا پڑتا تھا ــــ"

"میں مان ہی نہیں سکتی کہ آپ ایک رات بھی جاگ سکیں ــــ"

"اب اس کا کیا علاج ہے کہ تم نے میرے متعلق ایسی غلط رائے قائم کر لی ہے ــــ اور میں جانتا ہوں کہ تم ہزار ثبوت دینے پر بھی مجھ پر یقین نہیں کرو گی ــــ"

"میرا یقین آپ پر سے عرصہ ہوا اٹھ گیا ہے۔ آپ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں ــــ"

"بہتان تراشی میں تمہاری ہم پلّہ اور کوئی عورت نہیں ہو سکتی ــــ میں نے اپنی زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا ــــ"

"ٹھہریئے ــــ پرسوں آپ نے مجھ سے کہا کہ آپ کسی دوست کے ہاں گئے تھے لیکن جب شام کو آپ نے تھوڑی سی پی ــــ تو چہک چہک کر مجھے بتایا کہ آپ ایک ایکٹریس سے مل کر آئے ہیں ــــ"

" وہ ایکٹریس بھی تو اپنی دوست ہے ـــــ دشمن تو نہیں ـــــ میرا مطلب ہے، اپنے ایک دوست کی بیوی ہے۔ ۔ "

"آپ کے دوستوں کی بیویاں عموماً تو ایکٹریسیں ہوتی ہیں، یا طوائفیں "

" اس میں میرا کیا قصور ـــــ "

" وہ کیسے ـــــ "

" ایسے کہ میں نے آپ سے شادی کر لی ـــــ میں ایکٹریس ہوں نا طوائف "

"مجھے ایکٹریسوں اور طوائفوں سے سخت نفرت ہے ـــــ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ـــــ وہ عورتیں نہیں سلیٹیں ہیں جن پر کوئی بھی چند حروف یا لمبی چوڑی عبارت لکھ کر مٹا سکتا ہے ـــــ "

" تو اس روز آپ کیوں اس ایکٹریس کے پاس گئے۔ "

" میرے دوست نے بلایا ـــــ میں چلا گیا ـــــ اس نے ایک ایکٹریس سے جو پہلے چار شادیاں کر چکی تھیں نیا نیا بیاہ رچایا تھا مجھے اس سے متعارف کرایا گیا۔ "

" کیسی تھی ـــــ ؟ "

" چار شادیوں کے بعد بھی وہ خاصی جوان دکھائی دیتی تھی ـــــ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ وہ عام کنواری جوان لڑکیوں کے مقابلے میں ہر لحاظ سے اچھی تھی "

" وہ ایکٹریسیں کس طرح خود کو چست اور جوان رکھتی ہیں۔ "

"مجھے اسکے متعلق کوئی زیادہ علم نہیں ـــــ بس اتنا سنا ہے کہ وہ اپنے جسم

اور جان کی حفاظت کرتی ہیں۔"

"میں نے تو سنا ہے کہ بڑی بدکردار ہوتی ہیں اوّل درجے کی فاحشہ۔"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔۔۔ مجھے اسکے بارے میں کوئی علم نہیں"

"آپ ایسی باتوں کا جواب ہمیشہ گول کر جاتے ہیں۔۔۔"

"جب مجھے کسی خاص چیز کے متعلق کچھ علم ہی نہ ہو تو میں جواب کیا دوں۔۔۔ میں تمہارے مزاج کے متعلق بھی وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔۔۔"

"دیکھئے آپ میرے متعلق کچھ نہ کہا کیجئے۔۔۔ آپ ہمیشہ میری بے عزتی کرتے رہتے ہیں۔۔۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔۔۔"

"میں نے تمہاری بے عزتی کب کی ہے۔"

"یہ بے عزتی نہیں کہ پندرہ برسوں میں آپ میرا مزاج نہیں جان سکے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں مخبوط الحواس ہوں۔ نیم پاگل ہوں، جاہل ہوں اجڈ ہوں"

"یہ تو خیر تم نہیں ہو۔۔۔ لیکن تمہیں سمجھنا بہت مشکل ہے۔ ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم نے میرے بالوں کی بات کس غرض سے شروع کی۔۔۔ اس لئے کہ جب بھی تم کوئی بات شروع کرتی ہوں، تو اس کے پیچھے کوئی خاص بات ضرور ہوتی ہے۔۔۔"

"خاص بات کیا ہو گی۔۔۔ بس آپ سے صرف یہی کہنا تھا کہ بال اتنے

بڑھ گئے ہیں کٹوا دیجئے ـــــ حجام کی دوکان یہاں سے کتنی دور ہے ۔ زیادہ سے زیادہ دو سو گز کے فاصلے پر ہو گی ـــــ جایئے ـــ میں گرم پانی کراتی ہوں"

"جاتا ہوں ـــــ میں ذرا ایک سگریٹ پی لوں"

"سگریٹ وگریٹ آپ نہیں پئیں گے ـــ صبح سے اب تک ـــ ٹھہریئے میں ڈبہ دیکھ لوں ـــــ میرے اللہ ـــ بیس سگریٹ پھونک چکے ہیں آپ ـــــ بیس ـــ!"

"یہ تو کچھ زیادہ نہ ہوئے ـــ بارہ بجنے والے ہیں ـــ"

"زیادہ باتیں مت کیجئے ـــــ سیدھے حجام کے پاس جایئے ـــ اور یہ اپنے سر کا بوجھ اتروایئے ـــ"

"جاتا ہوں ـــ کوئی اور کام ہو تو بتا دو ـــ"

"میرا کوئی کام نہیں ـــــ آپ اس بہانے سے مجھے ٹالنا چاہتے ہیں"

"اچھا تو میں چلا ـــ"

"ٹھہریئے ـــ"

"ٹھہر گیا ـــ فرمایئے ـــ"

"آپ کے بٹوے میں کتنے روپے ہوں گے"

"پانچ سو کے قریب ـــ"

"تو یوں کیجئے ـــ بال کٹوانے سے پہلے انار کلی سے سونے کی ایک

انگوٹھی لے آئیے ــــ آج میری ایک سہیلی کی سالگرہ ہے ــــ دو ڈھائی سو روپے کی ہو ــــ"

"میری تو وہیں، انارکلی ہی میں حجامت ہو جائے گی ــــ میں جاتا ہوں ــــ"

ٹانگے والے کا بھائی

سیّد غلام مرتضےٰ جیلانی میرے دوست ہیں۔ میرے ہاں اکثر آتے ہیں ــــ گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں کافی پڑھے لکھے ہیں ــــ

ان سے میں نے ایک روز کہا۔

"شاہ صاحب! آپ اپنی زندگی کا کوئی دلچسپ واقعہ تو سنایئے"

شاہ صاحب نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا ــــ "منٹو صاحب ــــ میری زندگی دلچسپ واقعات سے بھری پڑی ہے ــــ کون سا واقعہ آپکو سناؤں ــــ"

میں نے اِن سے کہا۔ "جو بھی آپ کے ذہن میں آجائے ــ"

شاہ صاحب مسکرائے ــــ آپ مجھے بڑا پرہیزگار آدمی سمجھتے ہوں گے ــــ آپ کو معلوم نہیں میں نے دس برس تک دن رات شراب پی ہے اور خوب کھل کھیلا ہوں۔ اب چونکہ دل اچاٹ ہو گیا ہے اس لئے میں

نے یہ شغل چھوڑ رکھے ہیں ــــ "

"میں نے پوچھا ــــ "کہیں آپ نے شادی تو نہیں کر لی"

"حضرت میں پانچ برس سے لاہور میں ہوں ــــ اگر میں نے شادی کی ہوتی تو آپ کو اس کی اطلاع مل جاتی ــــ "

"تو کیا آپ ابھی تک کنوارے ہیں"

"جی ہاں ــــ "

"بڑے تعجب کی بات ہے۔"

شاہ صاحب نے ایک آہ بھری ــــ

"چلئے ــــ آپ کو ایک داستان سنا دوں ــــ آپ اسے لکھ کر اپنے پیسے کھرے کر لیجئے گا"

"مجھے پیسے کھرے کرنے تو تھے، پھر بھی میں نے ان سے کہا ــــ "نہیں شاہ صاحب ــــ آپ اپنی داستان سنایئے دیکھئے اس کا افسانہ بنتا بھی ہے کہ نہیں ــــ ویسے میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں نے آپ کی داستان کو افسانے میں ڈھال لیا تو مجھے جو معاوضہ ملے گا سب کا سب آپ کا ہو گا۔"

شاہ صاحب ہنسے ــــ :

"چھوڑو یار ــــ میں اپنی بیتی ہوئی زندگی کے ٹکڑوں کی قیمت وصول

نہیں کرنا چاہتا ــــ تم افسانہ نگار لوگ عجیب ذہن کے ہوتے ہو۔ داستان سن لو ــــ باقی تم جانو ــــ مجھے معاوضے وغیرہ سے کوئی سروکار نہیں۔"

شاہ صاحب کے لب و لہجہ سے یہ صاف ظاہر تھا کہ انہیں میری بات پسند نہیں آئی اس لئے میں نے اس کے بارے میں مزید گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھی اور ان سے کہا ــــ

"آپ اپنی داستان بیان کرنا شروع کر دیں ــــ"

شاہ صاحب نے میرے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر سلگایا ــــ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اس لئے کہ میں نے انہیں چار یا پانچ برس کے عرصے میں کبھی سگریٹ پیتے نہیں دیکھا تھا ــــ میں نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ان سے کہا ــــ

"شاہ صاحب آپ سگریٹ پیتے ہیں ــــ"

شاہ صاحب کے ہونٹوں پر جن میں سگریٹ اٹکا ہوا تھا عجیب قسم کی مسکراہٹ نمودار ہوئی ــــ

"منٹو صاحب! آپ نے اپنی زندگی میں اتنے سگریٹ نہیں پیئے ہوں گے ــــ جتنے میں پی چکا ہوں ــــ آج آپ نے ایسی بات چھیڑ دی کہ خود بخود میرے ہاتھ آپ کے سگریٹ کیس کی طرف اٹھ گئے ــــ" وہ بھی ہے آپ کے پاس ــــ"

میں نے جواب دیا۔

"جی ہاں ——— ہے ——"

"تو لاؤ ——— ایک پٹیالہ پگ ——— میں دس برس کا رکھا ہوا روزہ توڑوں گا ——— تم نے آج ایسی باتیں کی ہیں کہ میرا سارا جسم ماضی میں چلا گیا ہے ——"

میں نے اپنی الماری سے وہسکی کی بوتل نکالی اور شاہ صاحب کے لئے ایک پٹیالہ پگ بنا کر حاضر کر دیا انہوں نے ایک ہی جرعے میں گلاس خالی کر دیا آستین سے ہونٹ صاف کرنے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوئے "ہاں تو اب کہانی سنو ——— !"

"لیکن یہ بوتل یہاں سے غائب کر دو ——"

میں نے وہسکی کی بوتل اٹھائی اور اندر جا کر الماری میں رکھ دی واپس آیا تو دیکھا شاہ صاحب دوسرا سگریٹ سلگا رہے ہیں۔

میں کرسی اٹھا کر ان کے پاس بیٹھ گیا ——— وہ مسکرائے ——— لیکن یہ مسکراہٹ کچھ زخمی سی تھی ——— انہوں نے اسی زخمی مسکراہٹ سے کہنا شروع کیا ——— "جو واقعہ میں اب بیان کرنے والا ہوں ——— آج سے قریب قریب دس برس پہلے کا ہے ——— ہمارا حلقۂ احباب زیادہ تر کھاتے پیتے اور کافی مالدار ہندوؤں کا تھا ——— بڑے اچھے لوگ تھے ——— ہر روز

پینے پلانے کا شغل رہتا۔ اس حلقے میں مجھ سے علاوہ کئی اور دوستوں کو شراب کے علاوہ عورتوں کی بھی ضرورت محسوس ہوا کرتی ـــــ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی ضرورت پوری کرتے ـــــ مجھ سے کہتے کہ تم بھی آؤ ـــــ مگر میں انکار کر دیتا ـــــ اپنی مرضی کے خلاف ـــــ میرا دل ویسے چاہتا تھا کہ کسی عورت کی قربت نصیب ہو۔"

میں نے شاہ صاحب سے کہا۔

"آپ نے شادی کیوں نہ کر لی ـــــ"

شاہ صاحب نے جواب دیا

"میں نے ـــــ سچ پوچھو تو اس کے متعلق کبھی سوچا ہی نہیں تھا ـــــ"

"کیوں ـــــ؟"

"لیکن کبھی خیال ہی آیا ـــــ"

"خیر ـــــ آپ اپنی داستان جاری رکھئے"

شاہ صاحب نے سگریٹ کو ایش ٹرے میں دبایا۔ پیارے منٹو! میں نے بہت کوشش کی کہ اپنے دوستوں کے ساتھ شراب نوشی کے سوا کسی اور شغل میں نہ پھنسوں ـــــ لیکن ان کم بختوں نے آخر ایک دن مجھے آمادہ کر ہی لیا یہ طے پایا کہ کسی دلال کے ذریعہ سے خوش شکل لونڈیا منگوائی جائے ۔ ہم چار دوست فلیٹ سے باہر نکلے تو ایک ٹانگے والا جو کہ میرا واقف تھا۔!

مجھے دیکھ کر پکار اٹھا۔۔۔ شاہ جی۔۔۔ شاہ جی۔۔۔ آؤ۔۔۔ آؤ"۔

ہم چاروں دوست اس کے ٹانگے پر بیٹھ گئے۔۔۔ اس وقت میں پورا پورا قائل ہو چکا تھا کہ شراب کے ساتھ عورت ضرور ہونی چاہیئے۔ چنانچہ میں نے اپنی ساری شرافت اپنی جیب میں ڈال کے اس کے کان میں کہا۔ کہ وہ کسی لونڈیا کا بندوبست کر دے۔

جب اس نے یہ سنا تو وہ بھونچکا سا ہو کر رہ گیا۔۔۔ اس کو یقین نہیں آتا تھا کہ میں کبھی ایسی واہیات بات کروں گا۔۔۔ لیکن جب میں نے اس کے کان میں پھر کہا کہ مجھے واقعی ایک لڑکی کی اشد ضرورت ہے تو اس نے بڑے ادب سے کہا۔

"شاہ جی تسیں جو حکم دیو۔۔۔ بندہ حاضر اے۔۔۔ ایسی تکڑی کڑی لے کے آواں گا کہ ساری عمر یاد رکھو گے۔۔۔"

ٹانگے والا چلا گیا اور ہم واپس اپنے فلیٹ میں آ گئے شام کا وقت تھا جب وہ یہ مہم سر کرنے کے لئے گیا تھا۔۔۔ ہم دیر تک انتظار کرتے رہے طرح طرح کے خیالات میرے دل میں آتے تھے وہ کواری لڑکی کس قسم کی ہوگی کہیں کوئی بازاری عورت تو نہ نکل آئے گی۔۔۔

ہم جب انتظار انتظار کرتے کرتے تھک گئے تو تاش کھیلنا شروع کر دی۔ رات کے بارہ بج گئے۔۔۔ ہم مایوس ہو کر باہر نکلے تو دیکھا کہ تانگے والا

گھوڑے کے چابک لگاتا چلا آرہا ہے۔ پچھلی نشست پر ایک برقعہ پوش عورت بیٹھی تھی ——— میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔

ٹانگے والے نے مجھ سے کہا۔

"شاہ جی جو مال میں لینے گیا تھا وہ دساور چلا گیا ہے ——— اب یہ دوسرا مال بڑی کوششوں سے ڈھونڈ کر لایا ہوں ———"

میں نے اس کو پانچ روپے دیئے۔ پھر ہم چاروں دوست سوچنے لگے کہ اس برقعہ پوش عورت کو کہاں لے جائیں ——— اپنے فلیٹ میں لے جانا ٹھیک نہیں تھا اس لئے کہ ذمہ داری تھی ——— لوگ چہ میگوئیاں کرتے۔ بات کا بتنگڑ بن جاتا ——— خواہ مخواہ ایک فضیحتا ہو جاتا ——— چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا کہ اپنے دوست رحمان کے پاس چلے

رات کے ایک بجے کے قریب ہم اس برقعہ پوش عورت کے ہمراہ رحمان کے مکان پر پہنچے۔ بہت دیر تک دستک دینے کے بعد اس نے دروازہ کھولا کمبل اوڑھے تھا اسے غالباً بخار تھا۔

میں نے اس کو ساری بات دبی زبان میں بتائی تو اس نے بھی دبی زبان ہی میں کہا۔

"شاہ جی ——— آپ کو کیا ہو گیا ہے ——— میرا مکان حاضر ہے لیکن آپ کو معلوم نہیں کہ اس مہینے کی بیس تاریخوں کو میری شادی ہونے والی ہے ———

میرا سالا اندر ہے ـــــ اس کی موجودگی میں یہ سلسلہ جو آپ چاہتے ہیں کیسے ہو سکتا ہے ـــ۔

کچھ دیر ـــ میری سمجھ میں نہ آیا: اس سے کیا کہوں ـــــ لیکن تھوڑے سے توقف کے بعد میں نے اس کو ڈانٹا ـ ـ

"یار تم نہیت خراب بے وقوف ہو ـــ۔ اپنے سالے کو چلتا کرو ـــ ہم اتنی دور سے تمہارے پاس آئے ہیں ـــ کیا تم میں اتنی مروّت بھی باقی نہیں رہی ـــ بس تاریخ کو تمہاری شادی آرہی ہے ٹھیک ہے ـــ لیکن آج میری شادی ہے ـــ یہ میری دلہن برقعہ پہنے ٹانگے میں بیٹھی ہے ـــ تمہیں اپنے دوستوں کا کچھ تو خیال آنا چاہیئے ـــ۔"

رحمان کو میری حالت پر کچھ ترس آگیا ـــ چنانچہ اس نے اپنے سالے کو جگایا اور اس کو اپنے بخار کے لئے کوئی ضروری دوا لینے کے لئے باہر بھیج دیا شہر میں قریب قریب کیمسٹوں کی سب دکانیں بند تھیں۔ لیکن اس نے اپنے سالے سے کہا۔

"سارے شہر کی دکانیں دیکھو جہاں سے بھی تمہیں یہ دوا ملے لے آؤ"

لڑکا برخوردار قسم کا تھا ـــ نسخہ لے کر آنکھیں ملتا چلا گیا اس غریب کو ٹانگہ بھی شاید نظر نہ آیا ـــ جس میں برقعہ پوش عورت بیٹھی تھی ـــ!

میں نے سوچا ـــــ کہ ہجوم ٹھیک نہیں ہو گا ـــ معلوم نہیں میرے دوست

کیا حرکتیں کریں۔ ـ چنانچہ میں نے ان کو کسی نہ کسی طرح آمادہ کر لیا کہ وہ تانگے میں واپس چلے جائیں۔ پانچ روپے ٹانگے والے کو اور دیدیئے مگر اس نے برقعہ پوش سواری اتاری تو کہا۔

"حضور اس کی فیس تو دیتے جایئے ــــ"

"میں نے پوچھا کتنی ہے"

"پچیس روپے"

میں نے جیب سے نوٹ نکالے اور گن کر پانچ پانچ کے پانچ نوٹ اس کے حوالے کر دیئے۔ اور اس برقعہ پوش عورت کو اپنے دوست کے مکان میں لے آیا۔

رحمان کو بخار تھا ــــ وہ علیحدہ کمرے میں جا کر لیٹ گیا میں بہت دیر تک اس برقعہ پوش عورت سے گفتگو کرتا رہا ــــ

اس نے کوئی جواب نہ دیا اور نہ اپنے چہرے سے نقاب ہی ہٹایا۔

میں تنگ آگیا ــــ!

اس کو ٹٹولا ــــ تو وہ بالکل سپاٹ تھی ــــ آخر میں نے زبردستی اس کا برقعہ الٹ دیا۔

میری حیرت کی انتہا نہ رہی ــــ جب دیکھا کہ وہ عورت نہیں ــــ ہیجڑہ تھا ــــ نہایت مکروہ قسم کا ــــ!

مجھے سخت غصہ آیا — میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ کیا واہیات پن ہے —"

اس ہیجڑے نے جس کے چہرے پر روؤں کا نیلا نیلا غبار موجود تھا بڑے نسوانی انداز میں جواب دیا۔

"یس — میں ٹانگے والے کا بھائی ہوں۔"

شاہ صاحب نے اس کے بعد مجھ سے کہا — "منٹو صاحب اس دن کے بعد مجھے اس سلسلے سے کوئی رغبت نہیں رہی۔"

مسٹر حمیدہ

رشید نے پہلی مرتبہ اس کو بس اسٹینڈ پر دیکھا ــــ جہاں وہ شیڈ کے نیچے کھڑی بس کا انتظار کر رہی تھی ــــ رشید نے جب اسے دیکھا تو وہ ایک لمحے کے لئے حیرت میں گم ہو گیا ــــ اس سے قبل اس نے کوئی ایسی لڑکی نہیں دیکھی تھی جس کے چہرے پر مردوں کی مانند ڈاڑھی اور مونچھیں ہوں۔

پہلے رشید نے سوچا کہ شاید اس کی نگاہوں نے غلطی کی ہے۔ عورت کے چہرے پر بال کیسے اگ سکتے ہیں ــــ پر جب اس نے غور سے دیکھا تو اس لڑکی نے باقاعدہ شیو کر رکھی تھی اور سرمئی غبار اس کے گالوں اور ہونٹوں پر موجود تھا ــــ!

رشید نے سمجھا کہ شاید ہیجڑہ ہو، مگر نہیں ــــ وہ ہیجڑہ نہیں تھی۔ اسلئے کہ اس میں ہیجڑوں کی سی مصنوعی نسوانیت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ وہ مکمل عورت تھی ــــ ناک نقشہ بہت اچھا تھا ــــ کولہے چوڑے چکلے ــــ کمر پتلی۔

سینہ جوانی سے بھرپور ـــــ بازو سڈول ـــــ غرضیکہ اس کے جسم کا ہر عضو اپنی جگہ پر نسوانیت کا عمدہ نمونہ تھا۔

ایک صرف اس کی داڑھی اور مونچھوں نے سب کچھ غارت کر دیا تھا ـــــ رشید سوچنے لگا ـــــ قدرت کی یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ ایک اچھی بھلی نوجوان خوبصورت لڑکی کو بدنما بنا دیا۔

رشید کے دماغ میں کئی خیال اوپر تلے آئے اور وہ بوکھلا گیا۔

وہ سوچتا تھا۔

"کیا اس لڑکی کی زندگی اجیرن ہو کے نہیں رہ گئی"

"صبح اٹھ کر جب اُسے استرا پکڑ کر شیو کرنا پڑتی ہو گی تو اسے کیا محسوس ہوتا ہو گا ـــــ کیا اس وقت اس کے جی میں جھنجھلا کر انتقامی خواہش پیدا نہ ہوتی ہو گی کہ وہ گھس کھدے کی طرح اپنے گال اور ہونٹ چھیل ڈالے"

"ایک عورت کے لئے یہ کتنا بڑا عذاب ہے کہ خارپشت کی مانند اس کے گالوں پر دوسرے روز نوکیلے بال اُگ آئیں۔"

اگر مردوں کے مانند عورتوں کے بھی داڑھی مونچھ آ گئی تو کوئی حرج نہیں تھا پر یہاں ازل سے عورتوں کو ان بالوں سے بے نیاز ہی رہی ہیں ـــــ"

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں ـــــ عورتوں کے چہرے پر بالوں کا ہونا کوئی معیوب چیز نہیں ـــــ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ ہم لوگ یہ دیکھنے کے لئے

عادی نہیں ۔۔۔۔

"صنفِ نازک آخر صنفِ نازک ہے ۔۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں" اس لڑکی میں نسوانیت کے تمام جوہر موجود ہیں ۔۔۔ پھر یہ داڑھی مونچھ کس لئے اگ آئی ہے ۔۔۔۔ نظر بٹو کے طور پر ۔۔۔۔ اس کی کوئی تشریح و توضیح تو ہونی چاہیئے بیکار میں ایک خوبصورت شئے کو بھونڈا بنا دیا ۔۔۔۔ یہ کہاں کی شرافت ہے ۔؟

"اب ایسی لڑکی سے شادی کون کرے گا ۔ جو ہر روز صبح سویرے اٹھ کر استرا ہاتھ میں پکڑ کر شیو کر رہی ہو ۔"

" اگر یہ لڑکی مونچھیں نہ مونڈے اور انہیں بڑھا لے ۔۔۔۔ تو کیا اس سے خوف نہیں آئے گا ۔۔۔۔ آپ بے ہوش نہ ہوں لیکن چند لمحات کے لئے آپ کے ہوش و حواس ضرور جواب دے جائیں گے ۔۔۔ آپ اپنے ہونٹوں پر انگلیاں پھیریں گے جہاں مونچھیں منڈی ہوں گی ۔۔۔۔ مگر آپ کی صنفِ مقابل اپنی مونچھوں کو تاؤ دے رہی ہو گی ۔۔۔"

بس آگئی ۔۔۔۔ وہ لڑکی اس میں سوار ہو کر چلی گئی ۔۔۔۔ رشید کو بھی اسی بس سے جانا تھا لیکن وہ اپنے خیالوں میں اس قدر غرق تھا کہ اس کو بس کی آمد کا پتہ نہ چلا نہ اس کے جانے کا ۔۔۔

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ لڑکی کو ایک نظر اور دیکھنے کے لئے پلٹا تو وہ موجود نہیں تھی ۔

اس کا ذہن اس قدر مضطرب تھا کہ اس نے اپنا کام ملتوی کر دیا اور گھر چلا آیا۔ اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ کر اس نے مزید سوچ وچار شروع کر دی اس کو اس لڑکی پر بہت ترس آرہا تھا ــــــ بار بار وہ قدرت کی بے رحمی پر لعنتیں بھیجتا تھا کہ اس نے کیوں نسوانیت کے اتنے اچھے اور خوبصورت نمونے کو خود ہی بنا کر اس پر سیاہی کا لیپ کر دیا ــــ آخر اس میں کیا مصلحت تھی ــــ اب اس شکل میں اس سے شادی کون کرے گا ــــ قدرت نے کیا اس کے لئے کوئی ایسا مرد پیدا کر رکھا ہے جو اسے قبول کرے گا ــــ لیکن وہ سوچتا کہ قدرت اتنی دور اندیش نہیں ہو سکتی ــــ

اس کی بہن آئی ــــ دوپہر ہو چکی تھی ــــ اس نے رشید سے کہا۔

"بھائی جان ــــ چلئے کھانا کھا لیجئے ــــ"

رشید نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور اس کو یوں محسوس ہوا کہ اس کے چہرے پر بھی بال ہیں ــــ

"سلیمہ ــــ"

"جی ــــ"

"کچھ نہیں ــــ لیکن نہیں ٹھہرو ــــ کیا تمہاری مونچھیں ہیں

سلیمہ جھینپ گئی۔

"جی ہاں ــــ بال اُگتے ہیں ــــ"

رشید نے اس سے پوچھا تو ــــ میرا مطلب ہے تمہیں الجھن نہیں ہوتی
ان بالوں سے ــــ "

سلیمہ نے اور زیادہ جھینپ کر جواب دیا۔ " ہوتی ہے بھائی جان "

" تو انہیں تم کیسے صاف کرتی ہو ــــ بلیڈ سے "

" جی نہیں ــــ ایک چیز ہے جسے بے بی ٹچ کہتے ہیں ــــ اس کو تھوڑی دیر ہونٹوں پر گھسانا پڑتا ہے ــــ "

" تو بال اڑ جاتے ہیں "

" اڑتے وڑتے خاک بھی نہیں ــــ دوسرے تیسرے روز پھر نمودار ہو جاتے ہیں بڑی مصیبت ہے ــــ بعض اوقات تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں "

رشید نے پوچھا

" وہ کیوں ــــ "

سلیمہ نے دردناک لہجہ میں جواب دیا

" تکلیف ہوتی ہے بہت ــــ جب بال اکھڑتے ہیں تو چھینکیں آتی ہیں ــــ اور چھینکوں کے ساتھ آنکھوں میں پانی اتر آتا ہے ــــ معلوم نہیں اللہ میاں مجھ سے کن گناہوں کی سزا لے رہا ہے ــــ "

رشید نے تھوڑے توقف کے بعد اپنی بہن سے پوچھا ــــ " تمہاری کسی اور سہیلی کی بھی داڑھی اور مونچھیں ہیں ــــ ؟ "

"سو تجھیں تو کئی لڑکیوں کی دیکھی ہیں اور داڑھی میں نے کبھی کسی عورت کے چہرے پر نہیں دیکھیں ـــــ ایک دو بال ٹھوڑی پر دیکھنے میں آئے ہیں جو وہ موچنے یا ہاتھ سے اکھاڑ پھینکتی ہیں ـــــ یہ آپ نے کیسی گفتگو آج شروع کردی ـــــ چلئے کھانا کھا لیجئے ـــــ"

رشید نے کچھ دیر سوچا

"نہیں ـــــ میں آج کھانا نہیں کھاؤں گا ـــــ میرا معدہ ٹھیک نہیں ہے"

رشید کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس نے بالوں کی پتنگ کھائی ہے جو ہضم ہونے میں ہی نہیں آتی ـــــ اس کے سارے جسم پر تیز تیز نوکیلے بال یوں رینگ رہے تھے جیسے خاردار چیونٹیاں۔

جب سلیمہ چلی گئی تو رشید نے پھر سوچنا شروع کردیا ـــــ لیکن سوچنے سے کیا ہو سکتا تھا ـــــ اس لڑکی کے چہرے کے بال تو دور نہیں ہو سکتے تھے اس امر کا رشید کو کامل یقین تھا لیکن پھر بھی وہ سوچے چلا جارہا تھا ـــــ جیسے وہ کوئی بہت بڑا معمہ حل کررہا ہے۔

رشید کو داخلے کی درخواست دینا تھی ـــــ اس نے بی اے کا امتحان راولپنڈی سے پاس کیا تھا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ لاہور میں کسی کالج میں داخل ہو جائے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرکے اعلٰے تعلیم کیلئے انگلستان چلا جائے جہاں اس کے والد پرائیوی کونسل میں پریکٹس کرتے تھے۔

اس روز مونچھوں اور داڑھی والی لڑکی کے باعث نہ جا سکا۔ دوسرے روز وہ بس کے بجائے ٹانگے میں گیا۔۔۔ اس نے چونکہ بی اے کا امتحان بڑے اچھے نمبروں پر پاس کیا تھا اس لئے اسے داخلے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوئی

وہ داڑھی مونچھوں والی لڑکی اب رشید کے دل و دماغ سے قریب قریب محو ہو چکی تھی ۔۔۔ لیکن ایک دن اس نے اس کو کالج میں دیکھا۔۔۔ لڑکے اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

ایک نے آوازہ کسا۔

"مسٹر حمیدہ۔۔۔"

دوسرے نے کہا۔

"ایک ٹکٹ میں دو مزے ہیں۔۔۔ عورت کی عورت اور مرد کا مرد۔۔۔"

تیسرے نے قہقہہ لگایا۔

"عجائب گھر میں رکھنا چاہیئے تھا ایسی شخصیت کو۔۔۔"

اور وہ بیچاری خفیف ہو رہی تھی ۔۔۔ اس کی پیشانی پسینے سے تر تھی۔۔۔ رشید کو اس پر بہت ترس آیا۔۔۔ اس کے جی میں آئی کہ آگے بڑھ کر ان تمام لڑکوں کا سر پھوڑ دوں جو اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ مگر وہ کسی مصلحت کی بنا پر خاموش رہا۔۔۔

جب لڑکے چلے گئے۔ اور اس لڑکی نے اپنے دوپٹے سے آنکھوں میں اُمڈے

ہوئے آنسو خشک کئے تو وہ جرأت سے کام لے کر اس کے پاس گیا اور بڑے ملائم لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

" آپ یہاں کس کلاس میں پڑھتی ہیں ۔۔۔"

اس نے تنگ آکر کہا۔

" کیا آپ بھی میرا مذاق اڑانے آئے ہیں ۔۔۔"

رشید نے اپنا لہجہ اور ملائم کر دیا ۔۔۔" جی نہیں ۔۔۔ آپ مجھے اپنا دوست یقین کیجئے ۔۔۔"

اس نے جس کا نام حمیدہ تھا ۔۔۔ نفرت کی نگاہوں سے رشید کو دیکھا۔

" مجھے کسی دوست کی ضرورت نہیں ۔۔۔"

" یہ آپ کی زیادتی ہے ۔۔۔ ہر شخص کو دوست اور ہمدرد کی ضرورت ہوتی ہے ۔۔۔ میں اس وقت مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کے مضطرب دماغ کو اپنی باتوں سے اور زیادہ مضطرب کر دوں ۔۔۔ ویسے میں آپ سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا دوست یقین کیجئے ۔۔۔"

یہ کہہ کر رشید چلا گیا۔

اس کے بعد متعدد مرتبہ اس نے حمیدہ کو دیکھا۔ جو بی اے میں پڑھتی تھی سارے کالج میں اس کی ڈاڑھی مونچھوں کے چرچے تھے ۔۔۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ لڑکوں کی آوازہ بازی کی عادی ہو چکی ہے میرا

خیال ہے کہ اب اس نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ اس کے چہرے پر کوئی بال نہیں ہے۔

وہ ہوسٹل میں رہتی تھی۔ ایک دفعہ وہ شدید طور پر بیمار ہو گئی دس پندرہ دن تک بستر میں لیٹنا پڑا ـــــ رشید نے کئی بار ارادہ کیا کہ وہ اس کی بیمار پرسی کے لئے جائے مگر اس کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ وہ مشتعل ہو جائے گی کیونکہ اُسے کسی ہمدردی پسند نہ تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ اس کی کشتی، ٹوٹی پھوٹی، جیسی بھی ہے اسے اِس کے سوا اور کوئی کھیلنے والا نہ ہو ـــــ لیکن ایک دن مجبور ہو کر اس نے چپڑاسی کے ہاتھ ایک رقعہ رشید کے نام بھیجا ـــــ جس میں چند یہ الفاظ مرقوم تھے۔

رشید صاحب!

میں بیمار ہوں ـــــ کیا آپ چند لمحات کے لئے میرے کمرے میں تشریف لا سکتے ہیں۔ ممنون و متشکر ہوں گی ـــــ"

حمیدہ

رشید یہ رقعہ ملتے ہی ہوسٹل میں گیا ـــــ بڑی مشکلوں سے حمیدہ کا کمرہ تلاش کیا ـــــ

اندر داخل ہوا، تو اس نے پہلے یہ سمجھا کہ کوئی مرد جس نے کئی دنوں

سے شیو نہیں کی ـــ کمبل اوڑھے لیٹا ہے ـــ مگر اس نے اپنا ردّعمل ظاہر نہ ہونے دیا۔

چارپائی کے ساتھ ہی کرسی پڑی تھی۔ رشید اس پر بیٹھ گیا

حمیدہ مسکرائی

"میں نے آپ کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ مجھے بخار کے باعث بہت نقاہت ہو گئی ہے اور شیو نہیں کر سکی ـــ کیا آپ میرے لئے یہ زحمت برداشت کر سکیں گے ـــ"

رشید نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا ـــ شیو کا سامان کھڑکی کی سِل پر موجود تھا۔

کچن سے گرم پانی لا کر اس نے حمیدہ کے چہرے کے بال نرم کئے صابن ملا ـــ اچھی طرح جھاگ پیدا کئے اور پھر پانچ منٹ کے اندر اندر شیو بنا ڈالی ـــ!

پھر تولئے سے اس کا چہرہ خشک کیا اور شیو کا سامان صاف کرنے کے بعد وہیں رکھ دیا جہاں سے اس نے اٹھایا تھا۔

حمیدہ نے اپنا نحیف ہاتھ گالوں پر پھیرا ـــ اور پھر رشید سے کہا۔

"شکریہ ـــ"

اب دونوں ایک دوسرے کے دوست ہو گئے۔

رشید نے ایم اے اور حمیدہ نے بی اے پاس کر لیا —— رشید کو فوراً بڑی اچھی ملازمت مل گئی۔

اب وہ ایک نہیں روزانہ دو شیو بناتا تھا —!

بغیر اجازت

نعیم ٹہلتا ٹہلتا ایک باغ کے اندر چلا گیا ۔۔۔ اس کو وہاں کی فضا بہت پسند آئی ۔۔۔ گھاس کے ایک تختے پر لیٹ کر اس نے خود کلامی شروع کر دی۔

" کیسی پُر فضا جگہ ہے ۔۔۔ حیرت ہے کہ آج تک میری نظروں سے اوجھل رہی ۔۔۔ نظریں ۔۔۔ اچھل ۔۔۔ "

اتنا کہہ کر وہ مسکرایا ۔۔۔

" نظر ہو تو چیزیں نظر بھی نہیں آتیں ۔۔۔ آہ کہ نظر کی بے نظری!

دیر تک وہ گھاس کے اس تختے پر لیٹا اور ٹھنڈک محسوس کرتا رہا۔ لیکن اس کی خود کلامی جاری تھی ۔۔۔

" یہ نرم نرم گھاس کتنی فرحت ناک ہے "

آنکھیں پاؤں کے تلوؤں میں چلی آئیں ۔۔۔ اور یہ پھول ۔۔۔ یہ پھول اتنے خوبصورت نہیں جتنی ان کی ہرجائی خوشبو ہے ۔۔۔ ہر شے جو ہرجائی ہو ۔۔۔ خوبصورت ہوتی ہے ۔۔۔ ہرجائی عورت ۔۔۔ ہرجائی مرد ۔۔۔ کچھ

سمجھ میں نہیں آتا —— یہ خوبصورت چیزیں پہلے پیدا ہوتی تھیں —— یا خوبصورت خیال —— ہر خیال خوبصورت ہوتا ہے —— مگر مصیبت یہ ہے کہ ہر پھول خوبصورت نہیں ہوتا —— مثال کے طور پر یہ پھول —— اس نے اٹھ کر ایک پھول کی طرف دیکھا اور اپنی خود کلامی جاری رکھی۔

یہ اس ٹہنی پر اکڑوں بیٹھا ہے —— کتنا سفلہ دکھائی دیتا ہے۔ بہر حال یہ جگہ خوب ہے —— ایک بہت بڑا دماغ معلوم ہوتی ہے —— روشنی بھی ہیں —— سائے بھی ہیں —— ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت میں نہیں بلکہ یہ جگہ سوچ رہی ہے ——

یہ پر فضا جگہ جو اتنی دیر میری نظروں سے اوجھل رہی۔

اس کے بعد نعیم فرطِ مسرّت میں کوئی غزل گانا شروع کر دیتا ہے —— کہ اچانک موٹر کے ہارن کی کرخت آواز اس کے سازِ دل کے سارے تار جھنجھوڑ دیتی ہے —— !

وہ چونک کر اٹھتا ہے —— دیکھتا ہے کہ ایک موٹر پاس کی روش پر کھڑی ہے اور ایک لمبی لمبی مونچھوں والا آدمی اس کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہا ہے —— اس مونچھوں والے آدمی نے گرج کر کہا۔

"اے تم کون ہو ——"

نعیم جو اپنے ہی نشہ میں سرشار تھا چونکا ——

"یہ موٹر اس باغ میں کہاں سے آگئی ـــــ"

مونچھوں والا جو اس باغ کا مالک تھا بڑبڑایا ـــــ!

"وضع قطع سے تو آدمی شریف معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہاں کیسے گھس آیا ـــــ کس اطمینان سے لیٹا تھا جیسے اس کے باوا کا باغ ہے ـــــ پھر اس نے بلند آواز میں للکار کے یغیم سے کہا۔

"اماں ـــــ کچھ سنتے ہو ـــــ"

یغیم نے جواب دیا

"حضور سن رہا ہوں ـــــ تشریف لے آیئے ـــــ یہاں بہت پر فضا جگہ ہے ـــــ"

باغ کا مالک بھنا گیا

"تشریف کا بچّہ ـــــ ادھر آؤ ـــــ"

یغیم لیٹ گیا ـــــ

"بھئی مجھ سے نہ آیا جائے گا تم خود ہی چلے آؤ ـــــ واللہ بڑی دلفریب جگہ ہے تمہاری سب کوفت دور ہو جائے گی ـــــ"

باغ کا مالک موٹر سے نکلا ـــــ اور غصّے میں بھرا ہوا یغیم کے پاس آیا

"اٹھو یہاں سے ـــــ"

یغیم کے کانوں کو اس کی تیکھی آواز بہت ناگوار گزری ـــــ " اتنے اونچے

نہ بولو۔۔۔" آؤ میرے پاس لیٹ جاؤ۔۔۔ بالکل خاموش جس طرح کہ میں لیٹا ہوا ہوں۔۔۔ آنکھیں بند کرلو۔۔۔ اپنا سارا جسم ڈھیلا چھوڑ دو۔۔۔ دماغ کی ساری بتیاں گل کر دو۔۔۔ پھر جب تم اس اندھیرے میں چلو گے تو ٹٹولتی ہوئی تمہاری انگلیاں غیر ارادی طور پر ایسے قمقمے روشن کریں گی۔ جن کے وجود سے تم بالکل غافل تھے۔

آؤ میرے ساتھ لیٹ جاؤ۔۔۔"

باغ کے مالک نے ایک لحظہ سوچا۔۔۔ نعیم سے کہا۔

"دیوانے معلوم ہوتے ہو۔۔۔"

نعیم مسکرایا۔ " نہیں۔۔۔ تم نے کبھی دیوانے دیکھے ہی نہیں۔۔۔ میری جگہ یہاں اگر کوئی دیوانہ ہوتا تو وہ ان بکھری ہوئی جھاڑیوں اور ٹہنیوں پر بچوں کے گالوں کے مانند لٹکے ہوئے پھولوں سے کبھی مطمئن نہ ہوتا۔۔۔ دیوانگی اطمینان کا نام نہیں میرے دوست۔۔۔ لیکن آؤ ہم دیوانگی کی باتیں کریں

" بکواس بند کرو۔۔۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"

باغ کے مالک کو طیش آگیا۔۔۔ اس نے اپنے ڈرائیور کو بلایا اور کہا کہ نعیم کو دھکے مار کر باہر نکال دے"

"ارے تم کون ہو۔۔۔ بڑے بدتمیز معلوم ہوتے ہو۔"

جب نعیم باہر جا رہا تھا تو اس نے گیٹ پر ایک بورڈ دیکھا جس پر یہ

لکھا تھا۔ "بغیر اجازت اندر آنا منع ہے ـــ"

وہ مسکرایا۔

"حیرت ہے کہ یہ میری نظروں سے اوجھل رہا ــــ نظر ہو تو بعض چیزیں نظر نہیں بھی آتیں ـــ آہ نظر کی یہ بے نظری ـــ"

یہاں سے نکل کر وہ ایک آرٹ کی نمائش میں چلا گیا تاکہ اپنا ذہنی تکدّر دور کر سکے۔

ہال میں داخل ہوتے ہی اس کو عورتوں اور مردوں کا جھرمٹ نظر آیا جو دیواروں پر لگی پینٹنگز دیکھ رہا تھا۔

ایک مرد کسی پارسی عورت سے کہہ رہا تھا۔

"مسز فوجدار ـــ یہ پینٹنگ دیکھی آپ نے ـــ"

مسز فوجدار نے تصویر کو ایک نظر دیکھنے کے بعد ایک عورت شیریں کی طرف بڑے غور سے دیکھا اور اس مرد سے جو غالباً اس کا ہونے والا شوہر تھا کہا۔

"تم نے دیکھا۔ شیریں کتنی سج بن کے آئی ہے "

ایک نوجوان عورت ایک نوعمر لڑکی سے کہہ رہی تھی۔ " ثریا ادھر آ کے تصویریں دیکھ ـــ تو وہاں کھڑی کیا کر رہی ہے۔

ثریّا کو تصویروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اصل میں اس کو ایک بوائے

فرینڈ سے ملنا تھا۔

ایک ادھیڑ عمر کا مرد جسے پینٹنگز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اپنے ادھیڑ عمر کے دوست سے کہہ رہا تھا۔

"بلّی نزلہ کام کی وجہ سے نڈھال سی ہے، ورنہ ضرور آتی —— آپ جانتے ہی ہیں پینٹنگز سے اسے کتنی دلچسپی ہے اب تو وہ بہت اچھی تصویریں بنا لیتی ہے۔ پرسوں اس نے پنسل کا غذ لے کر اپنے چھوٹے بھائی کی سائیکل کی تصویر اتاری —— میں تو دنگ رہ گیا۔

نعیم پاس کھڑا تھا —— اس نے ہلکے سے طنز کے ساتھ کہا

"ہو بہو سائیکل معلوم ہوتی ہوگی!"

دونوں دوست بھونچکے سے ہو کر رہ گئے کہ یہ کون بدتمیز ہے چنانچہ ان میں سے ایک نے نعیم سے پوچھا

"آپ کون ہیں ——؟"

نعیم بوکھلا گیا

"مَیں —— مَیں ——"

"مَیں مَیں کیا کرتے ہو —— بتاؤ تم کون ہو۔"

نعیم نے سنبھل کر کہا۔

"آپ ذرا آرام سے پوچھئے —— میں آپ کو بتا سکتا ہوں ——"

"تم یہاں آئے کیسے ؟"

نعیم کا جواب بڑا مختصر تھا۔

"جی پیدل ــ"

عورتیں اور مرد جو آس پاس کھڑے تصویریں دیکھنے کی بجائے خدا معلوم کن کن چیزوں پر تبصرہ کر رہے تھے ۔ ہنسنا شروع کر دیا ـــ اتنے میں اس نمائش کا ناظم آیا اس کو جب نعیم کی گستاخی کے متعلق بتایا گیا تو اس نے بڑے کڑے انداز میں اس سے پوچھا

"تمہارے پاس کارڈ ہے ؟"

نعیم نے بڑے بھولے پن سے جواب دیا۔

"کارڈ ـــ کیسا کارڈ ـــ پوسٹ کارڈ ؟"

ناظم نے اپنا لہجہ اور کڑا کر کے نعیم سے کہا ۔

" بغیر اجازت تم اندر چلے آئے ۔ جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے "

نعیم ایک تصویر کو دیکھ کر دیر تک دیکھنا چاہتا تھا مگر اسے با دل نخواستہ وہاں سے نکلنا پڑا ـــ سیدھا اپنے گھر گیا دروازے پر دستک دی اس کا نوکر فضلو باہر نکلا نعیم نے اس سے درخواست کی۔

" کیا میں اندر آسکتا ہوں ـــ ؟"

فضلو بوکھلا گیا ـــ "حضور ـــ حضور ـــ یہ آپ کا اپنا گھر ہے ـ"

اجازت کیسی ؟

نعیم نے اس سے کہا:

"نہیں فضلو ــــ یہ میرا گھر نہیں ــــ یہ گھر جو مجھے راحت بخشتا ہے کیسے میرا ہو سکتا ہے ــــ مجھے اب ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے"

فضلو نے بڑے ادب سے پوچھا

"کیا سرکار ــ"

نعیم نے کہا۔

"یہی کہ یہ گھر میرا نہیں ــــ البتہ اس کا گرد و غبار ــــ اس کی تمام غلاظتیں میری ہیں ــــ وہ تمام چیزیں جن سے مجھے کوفت ہوتی ہے میری ہیں لیکن وہ تمام چیزیں جن سے مجھے راحت پہنچتی ہیں کسی اور کی ــــ خدا جانے کس کی ــــ میں اب ڈرتا ہوں ــــ کسی اچھی چیز کو اپنانے سے خوف لگتا ہے ــ یہ پانی میرا نہیں ــــ یہ ہوا میری نہیں ــــ یہ آسمان میرا نہیں ــــ وہ لحاف جو میں سردیوں میں اوڑھتا ہوں میرا نہیں ــــ اس لئے کہ میں اس سے راحت طلب کرتا تھا ــــ

فضلو جاؤ ــــ تم بھی میرے نہیں ــ"

نعیم نے فضلو کو کوئی بات کرنے نہ دی۔

وہ چلا گیا۔

رات کے دس بج چکے تھے۔

ہیرا منڈی کے ایک کوٹھے سے پیاین ناہیں آدت چلین کے بول باہر اڑ اڑ کے آ رہے تھے۔

نعیم اس کوٹھے پر چلا گیا۔

اندر مجرا سننے والے تین چار مردوں کی طرف دیکھا ــــــ اور طوائف سے کہا۔

" ان اصحاب کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا ــــ "

طوائف مسکرائی ۔

" انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے ــــ ادھر مسند پر بیٹھئے ــــ گاؤ تکیہ لے لیجئے ــــ "

نعیم بیٹھ گیا ــــ اس نے کمرے کا جائزہ لیا اور اس طوائف سے کہا ۔

" یہ کتنی اچھی جگہ ہے ۔ "

طوائف سنجیدہ ہو گئی

" آپ کیا میرا مذاق اڑانے آئے ہیں ــــ یہ اچھی جگہ ہے ــــ جسے تمام شرفا حد سے زیادہ گندی جگہ سمجھتے ہیں ــــ "

نعیم نے اس سے کہا۔

"یہ اچھی جگہ اس لئے ہے کہ یہاں" بغیر اجازت کے آنا منع ہے" کا بورڈ آویزاں نہیں ہے ــــ"

یہ سن کر طوائف اور اس کا مجرا سننے والے تماشبین ہنسنے لگے۔

نعیم نے ایسا محسوس کیا کہ دنیا ایک اس قسم کی طوائف ہے جسے مجرا سننے کے لئے اس قسم کے چغد آتے ہیں ــــ۔

قدرت کا اصُول

قدرت کا یہ اصول ہے کہ جس چیز کی مانگ نہ رہے وہ خود بخود یا تو رفتہ رفتہ بالکل نابود ہو جاتی ہے، یا بہت کم یاب ۔۔۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے سوچیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں سے کتنی اجناس غائب ہو گئی ہیں ۔۔۔

اجناس کو چھوڑیئے فیشن لے لیجئے ۔۔۔ کئی آئے اور کئی دفن ہوئے معلوم نہیں کہاں ! دنیا کا یہ چکر بہر صورت اسی طرح سے چلتا رہتا ہے ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ لڑکیاں انگیا کا استعمال بہت معیوب سمجھتی تھیں مگر اب یہ بہت ضروری سمجھا جاتا ہے کہ سہارا ہے۔ امریکہ اور انگلستان سے طرح طرح کی انگیا آرہی ہیں ۔۔۔ کچھ ایسی ہیں کہ ان میں کوئی اسٹریپ نہیں ہوتا ۔۔۔ ایک انگیا جو سب سے قیمتی ہے "میڈن فورم" کہلاتی ہے اسے کوئی بڑھیا بھی پہن لے تو جوان دکھائی دیتی ہے۔

اس سے بھی زیادہ شدید انگیا نورجہاں فلم ایکٹریس نے "چن دے"
میں پہنچی تھی۔ جن کی نمائش سے میرے جمالیاتی ذوق کو بہت صدمہ پہنچا تھا
مگر میں کیا کرتا ——

ہر شخص کو اپنی پسند کی چیز کھانے اور پہننے کی آزادی ہے۔

تلون انسان کی فطرت ہے —— وہ کبھی ایک چیز پر قائم نہیں رہتا۔
اسی لیئے اس کے گردوپیش کا ماحول بھی بدلتا رہتا ہے اگر آج اسے مرغیاں
مرغوب ہیں تو مارکیٹ میں لاکھوں مرغیاں ایک دم آجائیں گی ——

لیکن جب اس کا دل ان سے اکتا جائے گا —— تو میں وثوق سے
کہہ سکتا ہوں کہ مرغیاں یا تو انڈے دینا بند کردیں گی —— یا اسے سیئں
گی نہیں ——"

یہ بھی ممکن ہے کہ اگر لوگ پانی پینا بند کردیں تو سارے کنوئیں خشک
ہو جائیں —— دریا اپنے کو بیکار سمجھ کر اپنا رُخ بدل لیں۔

میں آج سے پندرہ برس پہلے کی بات کر رہا ہوں —— آرگنڈی (جسے
زنل کہا جاتا تھا) کی بنی بنائی قمیضوں کا رواج عورتوں میں عام تھا لیکن
دو تین برسوں کے بعد یہ قمیقیں ایسے غائب ہوئیں۔ جیسے گدھے کے سر
سے سینگ ——

اتنے برس گزر چکے تھے مگر اب یہ کپڑا جو حیوانوں کی کھال کے مانند

اکڑا ہوتا تھا ـــــ کسی عورت کے بدن پر نظر نہیں آیا ـــــ ظاہر ہے کہ اس کا بنانا یا تو یکسر بند کر دیا گیا ہے ـــــ یا بہت کم مقدار میں تیار کیا جاتا ہے

میں اب اصل موضوع کی طرف آتا ہوں ـــــ زیادہ عرصہ نہیں گزرا ـــــ ہم جنسیت کا بازار پنجاب میں ہر جگہ گرم تھا ـــــ مردوں کی اکثریت اس غیر فطری فعل سے شغل فرماتی تھی ـــــ اور ایسے لڑکے ، افراط موجود تھے جن کی ادائیں دیکھ کر نوخیز لڑکیاں بھی شرمائیں ـــــ ان کی چال ڈھال کچھ ایسی قیامت خیز ہوتی تھی کہ تعیش پسند مرد ـــ اپنی عورتوں کو بھول جاتے تھے۔

میں اسی زمانے کا ذکر کر رہا ہوں ـــــ جب لڑکیوں کے بدلے ان کی مخالف جنس کا دور دورہ تھا ـــــ میں اپنے مکان کی بیٹھک میں اپنے ایک ہندو دوست کے ساتھ تاش کھیل رہا تھا کہ باہر سے شور و غل کی آوازیں سنائی دیں ایسا معلوم ہوتا تھا کوئی بہت بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا ہے۔

امرتسر میں ہنگامے ہونا ان دنوں معمولی بات تھی ـــــ میں نے سوچا کہ ہندو مسلم کا فساد ہو گیا ہے لیکن اپنے اس اندیشے کا ذکر ہندو دوست سے نہ کیا جو میرا ہم جماعت تھا۔

ہم دونوں گلی سے باہر نکلے ـــــ دیکھا کہ بازار میں سب دکانیں بند ہیں بڑی حیرت ہوئی کہ ماجرا کیا ہے ـــــ ہم گلی کے باہر کھڑے تھے کہ اتنے میں شہر کا ایک بہت بڑا غنڈہ آیا ـــــ اس کے ہاتھ میں ہاکی تھی ـــ خون سے

لبتھڑی ہوئی تھی ـــــ اس نے مجھے سلام کیا ـــــ اس لئے کہ وہ مجھے پہچانتا تھا کہ میں ایک ذی اثر آدمی کا بیٹا ہوں ـــــ سلام کرنے کے بعد اس نے میرے دوست کی طرف دیکھا اور مجھ سے مخاطب ہوا۔

"میاں صاحب ـــــ بابو جی سے کہیئے کہ یہاں کھڑے نہ رہیں ـــــ آپ انہیں اپنے مکان میں لے جائیں ـــــ"

بعد میں معلوم ہوا کہ جو خون خرابہ ہوا اس کا باعث میرا دوست تھا۔ اس کے کئی طالب تھے ـــــ دو پارٹیاں بن گئی تھیں ـــــ جن میں اس کی وجہ سے لڑائی ہوئی جس میں کئی آدمی زخمی ہوئے ـــــ شہر کا جو سب سے بڑا غنڈا تھا چوتھے پانچویں روز اسے دوسری پارٹی نے اس قدر زخمی کر دیا کہ دس دن اسے ہسپتال میں رہنا پڑا جو اس کی غنڈہ گردی کا سب سے بڑا ریکارڈ تھا۔

اہل لاہور اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ یہاں ایک لڑکا "ٹینی سنگھ" کے نام سے منسوب تھا ـــــ جو گورنمنٹ کالج میں پڑھتا تھا اس کے ایک پرستار نے اسے ایک بہت بڑی موٹر کار دے رکھی تھی وہ اس میں بڑے ٹھاٹھ سے آتا اور دوسرے لڑکے تو اسی کے زمرے میں آتے تھے ـــــ بہت جلتے ـــــ مگر لاہور میں اسی وقت ٹینی سنگھ کا ہی طوطی بولتا تھا ـــــ میں نے اس کو دیکھا ـــــ واقعی خوبصورت تھا۔

اب یہ حال ہے کہ کوئی پٹنی سنگھ نظر نہیں آتا ــــ کالجوں میں چلے جائیے وہاں آپ کو ایسا کوئی لڑکا نظر نہیں آئے گا جس میں نسوانیت کے خلاف کوئی چیلنج ہو اس لئے کہ اب ان کی جگہ لڑکیوں نے لے لی ہے ــــ قدرت نے ان کی انتہا کر دی۔

خوشبودار تیل

"آپ کا مزاج اب کیسا ہے"

"یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو ــــ اچھا بھلا ہوں ــــ مجھے کیا تکلیف تھی ــــ؟"

"تکلیف تو آپ کو کبھی نہیں ہوئی ــــ ایک نقطہ میں ہوں جس کے ساتھ کوئی نہ کوئی تکلیف یا عارضہ چمٹا رہتا ہے ــ"

"یہ تمہاری بد احتیاطیوں کی وجہ سے ہوتا ہے ــــ ورنہ آدمی کو کم از کم سال بھر میں دس مہینے تو تندرست رہنا چاہیئے ــ"

"آپ تو بارہ مہینے تندرست رہتے ہیں ــــ ابھی پچھلے دنوں دو مہینے ہسپتال میں رہے ــــ میرا خیال ہے اب پھر آپ کا وہیں جانے کا ارادہ ہو رہا ہے ــ"

"ہسپتال میں جانے کا ارادہ کون کرتا ہے"

"آپ ایسے آدمی — اور کس کا دماغ پھرا ہے کہ وہ بیمار ہو کر وہاں پڑ جائے اور اپنے عزیزوں کی جان کا عذاب بن جائے —"

"تو گویا، میں اپنے سب رشتہ داروں کی جان کا عذاب بنا بیٹھا ہوں — میرا تو یہ نظریہ ہے کہ ہر رشتے دار خود جان کا بہت بڑا عذاب ہوتا ہے"

"آپ کو تو رشتہ داروں کی کوئی پرواہ نہیں — حالانکہ وہی ہمیشہ آپ کے آڑے وقت میں کام آتے رہتے ہیں —"

"کون سے آڑے وقت میں کام آتے رہے ہیں —"

"پچھلے برس جب آپ بیمار ہوئے — تو کس نے آپ کے علاج پر روپیہ خرچ کیا تھا —"

"مجھے معلوم نہیں — میرا خیال ہے تمہیں نے کیا ہوگا —"

"آپ کا حافظہ بھی کمزور ہو گیا ہے — یا آپ جان بوجھ کر اپنے رشتہ داروں کی مدد کو فراموش کر رہے ہیں —"

"میں اپنے کسی رشتہ دار کی امداد کا محتاج نہیں رہا اور نہ رہوں گا — اچھا خاصہ کما لیتا ہوں — کھاتا ہوں — پیتا ہوں —"

"جتنا کھا سکتا ہوں کھاتا ہوں — جتنی پی سکتا ہوں — پیتا ہوں"

"آپ کو معلوم نہیں کہ پینا حرام ہے —"

"معلوم ہے — آج کل تو جینا بھی حرام ہے — مگر چچا غالب کہہ

گئے ہیں ۔۔۔"

ے مئے سے غرضِ نشاط ہے کس روسیاہ کو
ایک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

"یہ چچا غالبؔ کون تھے ۔۔۔ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں ۔۔۔ میں نے تو آج پہلی مرتبہ ان کا نام سنا ہے ۔۔۔"

"وہ سب کے چچا تھے ۔۔۔ بہت بڑے شاعر ۔۔۔"

"شاعروں پہ خدا کی لعنت ۔۔۔ بیڑا غرق کرتے ہیں لوگوں کا ۔۔۔"

"بیگم یہ تم کیا کہہ رہی ہو ۔۔۔ ان ہی کے دم سے تو زندگی کی رونق قائم ہے ۔۔۔ یہ نہ ہوں تو چاروں طرف خشکی خشکی ہی نظر آئے ۔۔۔ یہ لوگ پھول ہوتے ہیں ۔۔۔ صاف و شفاف پانی کے دھارے ہوتے ہیں جو انسانوں کے ذہن کی آبیاری کرتے ہیں ۔۔۔ یہ نہ ہوں تو ہماری زندگی بے نمک ہو جائے"

"بے نمک ہو جائے ۔۔۔ کیسے بے نمک ہو جائے ۔۔۔ یہاں نمک کی کوئی کمی ہے ۔۔۔ جتنا چاہے لے لیجئے ۔۔۔ اور وہ بھی سستے داموں پر ۔۔۔ ان لوگوں کو جنہیں آپ شاعر کہتے ہیں ۔۔۔ میں تو چاہتی ہوں کہ ان کو کھیوڑے کی کسی کان میں زندہ دفن کر دیا جائے ۔ تاکہ وہ بھی نمک بن جائے اور آپ ان کو چاٹتے رہیں ۔۔۔"

"یہ آج تم نے کیسے پر پرزے نکال لئے ۔۔۔"

"پرزے پرزوں کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی ـــــ میں کچھ نہیں جانتی ہوں۔ کہ جب آپ سے کوئی معاملے کی بات کرے تو آپ بھِنّا جاتے ہیں ـــــ معلوم نہیں کیوں ـــــ میں نے کبھی آپ کی ذات پر تو حملہ نہیں کیا ـــــ ہمیشہ سیدھی سادی بات کردی ـــــ"

"تمہاری سیدھی باتیں ہمیشہ ٹیڑھی ہوتی ہیں ـــــ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تمہیں ہو کیا گیا ہے ـــــ دو برس سے تم ہر وقت میرے سر پر سوار رہتی ہو"

"ان برسوں میں مجھے آپ نے کیا سکھ پہنچایا ہے ـــــ"

"بھئی معاف کردیجے مجھے ـــــ میں سونا چاہتا ہوں ـــــ ساری رات ہی جاگتا رہا ہوں ـــــ"

"کیا تکلیف تھی آپ کو ـــــ مجھے بھی تو کچھ اس کا علم ہو ـــــ"

"تمہیں اگر اس کا علم بھی ہو جائے ـــــ تو اس کا مداوا کیا کردگی ـــــ"

"میں تو سخت نااہل ہوں ـــــ کسی کام کی بھی نہیں ـــــ بس ایک صرف آپ ہیں جو دنیا کی ساری حکمت جانتے ہیں ـــــ"

"بھئی میں نے کبھی یہ دعوےٰ نہیں کیا ـــــ لیکن عورت ذات ہمیشہ خود کو افضل سمجھتی ہے ـــــ حالانکہ وہ عام طور پر کم عقل ہوتی ہے۔"

"دیکھیے آپ طعن طرز پر اُتر آئے ـــــ یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں ـــــ تم نے چونکہ مجھے اکسایا تو یہ لفظ میری زبان

سے نسکل گئے ورنہ تم جانتی ہو کہ میں گفتگو کے سلسلے میں بڑا محتاط رہتا ہوں

"جی ہاں ــــ رہتے ہوں گے ــــ مجھ سے تو آپ نے ہمیشہ ہی نوکرانیوں کا سا سلوک کیا ــــ"

"یہ سراسر بہتان ہے ــــ تم تو میری ملکہ ہو ــــ"

"آپ بادشاہ کیسے بن بیٹھے ــــ آپ کی سلطنت کہاں ہے"

"میری سلطنت یہ میرا گھر ہے ــــ"

"اور آپ یہاں کے شہنشاہ ہیں ــــ"

"اس میں کیا شک ہے ــــ تم نے طنزاً کہا ہے ۔ لیکن حقیقت میں میں اس سلطنت کا حکمران میں ہی ہوں ــــ"

"حکمران تو میں ہوں ــــ اس لئے کہ اس گھر کا سارا بندوبست مجھے ہی کرنا پڑتا ہے ــــ سب دیکھ بھال مجھے ہی کرنا پڑتی ہے ــــ"

"تم میری ملکہ ہو ــــ اور ملکہ کو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہنا چاہیئے ــــ اپنی ملکیت کا دھیان رکھنا چاہیئے ــــ اسلئے تم بھی یہاں کی حکمران ہو اس لئے کہ تم اس کا نظم برقرار رکھتی ہو ــــ نوکروں کی دیکھ بھال وغیرہ اچھے سے اچھا کھانا پکوانا ــــ

"سارا دن پلنگ پر لیٹی آرام کرتی رہتی ہو ــــ"

"میں تو جو آرام کرتی ہوں، سو کرتی ہوں ــــ پر آپ مجھے یہ بتائیے ــــ"

"کیا ــــ"

"کچھ نہیں ــــ آپ اس گھر کے حکمران ہیں ــــ اب میں آپ سے کیا کہوں ــــ"

"تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو، بلا خوف و خطر کہو ــــ تمہیں اندیشہ کس بات کا ہے ــــ"

"کہیں جہاں پناہ بگڑ نہ جائیں ــــ"

"مذاق برطرف رکھو ــــ، یہ بتاؤ تم کہنا کیا چاہتی ہو ــ"

"کہنا تو میں بہت کچھ چاہتی ہوں ــــ مگر آپ میں ٹھنڈے دل سے سننے کا مادہ ہی کہاں ہے ــــ"

"مادہ تو تم ہو ــــ میں نر ہوں ــ"

"اب آپ نے واہیات قسم کی گفتگو شروع کر دی ــ"

"کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے ایسی باتیں بھی کر لینی چاہئیں ــ اس لئے کہ طبیعت میں انقباض پیدا نہ ہو ــــ"

"آپ کی طبیعت میں کئی دنوں سے انقباض ہے ــــ سیدھے منہ کوئی بات ہی نہیں کرتے ــــ"

"میں تو چنگا بھلا ہوں ــــ مجھے ایسی کوئی شکایت نہیں ہے ــــ ہو سکتا ہے کہ تمہارے تخیل نے بہت اونچی پرواز کی ہو ــــ اگر ایسا ہی ہے

تو کوئی مسہل تجویز کردو تاکہ تمہاری تشفی ہو جائے۔"

"میں آپ سے بحث کرنا نہیں چاہتی ـــــ صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"بھئی پوچھ لو جو کچھ پوچھنا ہے ـــــ مجھے اب زیادہ تنگ نہ کرو۔"

"آپ تو ذرا سی بات پر تنگ آجاتے ہیں ـــــ"

"یہ ذرا سی بات ہے کہ تم نے مجھ سے اتنی بکواس کرائی ـــــ یہی وقت میں اور کہیں صرف کرتا تو کچھ فائدہ بھی ہوتا ـــــ"

"کیا فائدہ ہوتا ـــــ بڑے لاکھوں کما لیے ہیں آپ نے بغیر اس بکواس کے ـــــ!"

"کمائے تو ہیں ـــــ لیکن تم یہ بتاؤ کہ کہنا کیا چاہتی ہو ـــــ"

"میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ جب سے نئی نوکرانی آئی ہے، آپ کی طبیعت کیوں خراب رہنے لگی ہے؟"

"نئی نوکرانی کو کوئی بیماری ہے ـــــ"

"جی نہیں ـــــ بیماری تو نہیں ـــــ لیکن میں نے اسے آج رخصت کر دیا ہے ـــــ"

"کیوں ـــــ وہ تو بڑی اچھی تھی ـــــ"

"آپ کی نظروں میں ہو گی ـــــ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ بیس روپے ماہوار میں اتنے اچھے کپڑے کیسے پہن سکتی تھی ـــــ بابوں میں

خوشبو دار تیل کہاں سے ڈالتی تھی ——"

"مجھے کیا معلوم ——"

"آپ کو سب کچھ معلوم ہے —— ؛ آپ کے بالوں سے بھی اسی تیل کی خوشبو آتی ہے —— معلوم نہیں یہ تیل آپ نے کہاں چھپا رکھا ہے"

○

سنتر منیج

میں لاہور کے ایک اسٹوڈیو میں ملازم ہوا ـــــ جس کا مالک میرا بمبئی کا دوست تھا ـــــ اس نے میرا استقبال کیا ـــــ میں اس کی گاڑی میں اسٹوڈیو پہنچا تھا بغل گیر ہونے کے بعد اس نے اپنی شرافت بھری مونچھوں کو جو غالباً کئی دنوں سے ناتراشیدہ تھیں ـــــ تھرکا کر کہا۔

"کیوں خواجہ چھوڑ دی ـــــ"

میں نے جواب دیا

"چھوڑنی پڑی ـــــ"

اسٹوڈیو کا مالک جو اچھا فلم ڈائرکٹر بھی ہے (میں اسے سہولت کی خاطر گیلانی کہوں گا) مجھے اپنے خاص کمرے میں لے گیا ـــــ ادھر ادھر کی بیشمار باتیں کرنے کے بعد اس نے چائے منگوائی جو نہایت ذلیل تھی ـــــ زبردستی پلائی ـــــ کئی سگریٹ اس دوران خود پھونکے اور مجھ سے پھنکوائے۔

مجھے ایک ضروری کام سے جانا تھا ـــــ چنانچہ میں نے اس سے کہا ـــ"
"یار چھوڑو اب چلئے کی بجائے اس کو ـــ مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے آج اتنے برسوں کے بعد یاد کیسے کر لیا"
"بس ایک دن اچانک یاد آ گئے ـــــ بلا لیا ـــــ بتاؤ اب صحت کیسی ہے ـــ"
"تمہاری دعا سے ٹھیک ہے ـــ" میرے لہجے میں دوستانہ طنز تھا ـ وہ ہنسا ـــ!
"واہ میرے مولوی صاحب ـــــ میرا خیال ہے کہ جب سے تم خشک خشک ہوئے ہو ـــ تمہاری ہر وقت شگفتہ رہنے والی طبیعت ٹھہر پانی کی طرح ٹھہر گئی ہے ـــ"
"ہوگا ایسا ہی ـــ"
"ہوگا کیا ـــــ ہے ہی ایسا معاملہ ـــــ لیکن خدا نہ کرے ایسی ذہانت جس کے سب معترف ہیں ـــ اس کا بھی یہی حشر ہوا ـــ کیا تم اب بھی فلمی کہانی کا ڈھانچہ تیار کر سکتے ہو ـــــ فرسٹ کلاس کہانی ـــ"
میں نے اس سے کہا ـ
"فرسٹ، سیکنڈ، انٹر اور تھرڈ، میں نہیں جانتا ـــــ البتہ کہانی ضرور ہوگی ـــ تم سوچتے ہو فرسٹ کی کہانی وہ اسکرین پر آتے ہی تھرڈ بنجائے

—— یا پھر ڈ جس کو تم نے ڈبوں میں بند کر کے گودام میں رکھ چھوڑا تھا —— وہ گولڈن جبلی فلم ثابت ہوا —— کیا درست نہیں —— خیر ان باتوں کو چھوڑو تم یہ بتاؤ کہ چاہتے کیا ہو۔"

اس نے مجھے ایک سگریٹ سلگا کر دیا اور سنجیدگی سے کہا۔

"دیکھو منٹو —— میں ایک کہانی چاہتا ہوں —— بڑا دلچسپ رومان ہو اور تم مجھے اس کا مفصل اسکیچ ایک ہفتہ کے اندر اندر دے دو —— کیونکہ میں فلم ڈسٹری بیوٹر سے کنٹریکٹ کر چکا ہوں تم بتاؤ کتنی دیر میں لکھ لو گے ——"

"فراغت سے ایک مہینہ کے بعد ——"

سردیوں کا موسم تھا اس نے اپنے ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ بڑے زور کے ساتھ ملے —— اس کے اس عمل سے دو چیزیں ظاہر ہوتی تھیں اوّل یہ کہ اس کے ہاتھ گرم ہو گئے ہیں —— دوم یہ کہ اس کے سر کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے ۔ کہ اس کو کہانی وقت پر مل جائے گی اور وہ جو کہ میری طرح بڑی تیزی سے کام کرنے والا ہے اسے وقت مقررہ کے اندر اندر ڈائرکٹ کر کے اس کے پرنٹ ڈسٹری بیوٹر کے حوالے کر دے گا اور کنٹریکٹ کی رو سے جو بقایا رقم اس کے نام نکلتی تھی اسی وقت میز پر دھر دالے گا۔

اس نے چند لمحات غور کیا۔

"کل ہی کام شروع کر دے گا ——"

میں نے جواب دیا۔

"کام تو میں شروع کر دوں ـــــ لیکن یہاں میرے لئے کوئی علیحدہ کمرہ ہونا چاہیئے۔"

"ہو جائے گا۔"

"اور ایک اسسٹنٹ ـــــ"

"مل جائے گا ـــــ تو کل سے آنا شروع کر دو گے ـــــ"

میں نے اس سے کہا۔

"دیکھو گیلانی ـــــ میرے گھر سے اور تمہارے اسٹوڈیو تک کا فاصلہ کافی ہے ـــــ ٹانگے میں آؤں تو قریب قریب ڈیڑھ گھنٹہ ـــــ بس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ـــــ"

اس نے پوچھا

"کیوں ـــــ ؟"

"یعنی اس کا انتظار کرنا پڑتا ہے ـــــ بس اسٹینڈ پر کھڑے رہو ـــــ خدا خدا کر کے پانچ نمبر کی بس آگئی ـــــ مسافروں سے بھری ہوئی اور وہ بغیر ٹھہرے چلدی اور تم خود کو دنیا کا کم ترین انسان محسوس کرتے ہو ـــــ جی میں آتا ہے کہ خودکشی کر لو ـــــ یا پھر دنیا والوں کی بے رخی سے نجات حاصل کرنے کے لئے سنیاس دھار لو ـــــ

گیلانی نے اپنی شرارت بھری مونچھیں پھڑکائیں۔

"میں شرط بدنے کے لئے تیار ہوں کہ تم کبھی دنیا تیاگ نہیں سکتے جس دنیا میں کہ ہر قسم کی شراب ملتی ہے —— اور خوبصورت عورتیں بھی —!

میں نے چڑ کر کہا۔

"عورتیں جائیں جہنم میں —— تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں بمبئی کے ہر اسٹوڈیو میں جہاں میں نے کام کیا۔ ان سے دُور ہی رہا۔

"تم تو خیر اپنے وقت کے ڈون جوان ہو (DON JYAN)

"مذاق اڑاتے ہو تم خواجہ میرا"

میں نے سنجیدگی کے ساتھ اس سے کہا۔

"نہیں گیلانی ے

رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ——

یا یوں کہہ لو ے

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

گیلانی مسکرایا ——

"خدائے بخشندہ تو بڑے عرصہ سے تمہیں مرحوم و مغفور کر چکا ہے —— تم بخشی ہوئی رُوح ہو ——"

میں نے کہا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے ـــــ میں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنا چاہتا ہوں"

"فلسفہ مت بگھارو یار ـــــ یہ بتاؤ کیا ابھی تک تمہارے پاس وہ اردو ٹائپ رائٹر موجود ہے۔"

"اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم وہ ایکٹرس جس سے تم نے کلکتے میں شادی کی تھی ابھی تک تمہارے پاس موجود ہے ـــــ"

گیلانی نے فخریہ انداز میں جواب دیا

"موجود کیوں نہیں ہوگی ـــــ گویا تمہاری نظر میں ایکٹرس اور ٹائپ رائیٹر میں کوئی فرق نہیں ہے ـــــ"

میں نے اس سے کہا۔

"کیا فرق ہے ـــــ ایک فلم پر ٹائپ کرتی ہے ـــــ دوسری کاغذ پر ـــــ دونوں کسی وقت بھی بگڑ سکتی ہیں ـــــ"

گیلانی میری ان باتوں سے تنگ آگیا تھا ـــــ آخر میں نے اس کو دلاسا دیا۔:

"یار یہ سب مذاق تھا ـــــ تو میں کل آجاؤں ـــــ میرا مطلب ہے تم گاڑی بھیج دوگے ـــــ"

گیلانی صوفے پر سے اٹھا ـــــ اس کے ساتھ میں بھی ـــــ اس نے کہا۔

"ہاں ـــ ہاں بھئی ـــ کب چاہیئے تمہیں گاڑی ـــ"

"کوئی وقت بھی مقرر کر لو ـــ ساڑھے نو بجے صبح ـــ"

"ٹھیک ہے ـــ"

"تم کاغذ وغیرہ آج ہی منگوا لینا ـــ تاکہ میں اسٹوڈیو پہنچتے ہی کام شروع کر دوں ـــ اور تم سے یہ اطلاع سنوں کہ دیکھو تم نے مجھے لیٹ ڈاؤن کر دیا۔ میرا اتنے ہزار روپے کا نقصان ہو گیا ہے۔"

گیلانی نے بڑے پیار سے کہا۔

"کیا بکتے ہو یار ـــ میں تمہاری طبیعت سے کیا واقف نہیں ـــ کبھی کبھی تم ڈبجی لگا جایا کرتے ہو ـــ"

میں نے اس کو یقین دلایا

"نہیں ایسا نہیں ہوگا ـــ تم مطمئن رہو ـــ ہاں میرا ٹائپ رائٹر یہاں محفوظ تو رہے گا۔

گیلانی کی عادت ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر چڑجاتا ہے۔"

"محفوظ نہیں رہے گا تو کیا غنڈے اغوا کرنے آجائیں گے۔ اپنے کسی عاشق کے ساتھ تمہاری مشین بھاگ نکلے گی ـــ"

میں بہت ہنسا۔

ہنستے ہنساتے ہم دونوں نے اسٹوڈیو کا چکر لگایا ـــ اس کے بعد اس

نے مجھے الوداع کہی اور میں اسی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا ــــــ جہاں پہنچتے ہی میں نے اپنے ٹائپ رائٹنگ کی جھاڑ پونچھ کی ــــ اس لئے کہ ایک مدّت سے میں نے اسے استعمال نہیں کیا تھا۔ کیونکہ فلمی کہانی لکھنے کا اس دوران میں کوئی موقعہ ہی میسّر نہ آیا۔

بگڑا ہوا میگینگ یا مستری آرٹسٹ بن جاتا ہے یہ میرا اپنا ذاتی اختراع کردہ محاورہ ہے ــــ!

گیلانی شروع میں میگینگ تھا ــــــ بگڑ کر وہ آرٹسٹ بن گیا پر وہ مختتی تھا ــــ

جب وہ مستری تھا تو اسے زیادہ سہولتیں میسّر نہیں تھیں لیکن جب کیمرہ قلی سے ترقی کرتا کرتا کیمرہ مین بن گیا تو اس نے کیمرے کے ہر پیچ کے متعلق اپنی خداداد ذہانت اور جستجوِ طلب طبیعت کی بدولت یہ دریافت کر لیا۔ کہ ان کا لوہے کے اس چوکھٹے میں اپنی اپنی جگہ کیا مصرف ہے۔

کیمرے کو وہ الٹا کرتا ــــــ کبھی سیدھا ــــ کبھی اس کا گیٹ کھول کر بیٹھ جاتا اور گھنٹوں اس سے اپنے مختلف سائز کے پیچ پرزوں کے ذریعہ سے بوس و کنار میں مشغول رہتا۔

فرصت کے اوقات ــــ یعنی جب شوٹنگ نہیں ہوتی تھی ــــ وہ اپنی سائیکل پر شہر پہنچتا اور سارا دن کباڑیوں کی دکانوں پر صرف کرتا ــــ اس کو

دنیا کے تمام کباڑیوں سے محبت ہے اور ان کے کباڑ خانوں کو وہ بڑی مقدس جگہیں تصور کرتا تھا ـــــ!

وہ ان دوکانوں میں بیٹھ کر منصوبہ تیار کرتا رہتا کہ سلائی مشین کا ہینڈل جو بیکار پڑا ہے اگر لوہے کے فلاں ٹکڑے کے ساتھ ویلڈ کر دیا جائے اور اس کے فلاں سے کے اندر چھوٹے پنکھے جو فلاں والی دوکان میں موجود ہیں لگا دیئے جائیں تو فرسٹ کلاس دھونکنی بن سکتی ہے۔

خدا معلوم وہ کیا کیا سوچتا تھا ـــــ ان دنوں دراصل ذہنی ورزش کر رہا تھا ـــــ یہ وہ تیاری تھی جو وہ اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

اس نے ایڈیٹنگ بھی اسی طرح سیکھی ـــــ آس پاس کی ہر ننھی سے ننھی شے کا مطالعہ کیا اور آخر ایک دن اس نے اسٹوڈیو کی ایک فلم کی ایسی عمدہ ایڈیٹنگ کی کہ لوگ دنگ رہ گئے۔

سیٹھ نے سوچا ـــــ کہ اچھے کیمرہ مین تو مل جائیں گے مگر ایسا باکمال ایڈیٹر جو سیلولائیڈ کے چھوٹے بڑے فیتے کے ٹکڑوں کو اس چابکدستی سے جوڑتا ہے کہ پھر اس میں مزید کتر بیونت ہو ہی نہیں سکتی ـــــ چنانچہ ایڈیٹنگ ڈیپارٹمنٹ کا ہیڈ بنا دیا۔ تنخواہ اس کی وہی رہی جو بحیثیت کیمرہ مین تھی۔

وہ اپنا کام بڑی محنت اور تندہی سے کرتا رہا ـــــ لیکن اس کے ساتھ

ساتھ میں وہ لیبارٹری سے بھی دلچسپی لیتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں اس نے اس کے کل پرزوں میں چند اصلاحات اور ترکیبیں پیش کیں جو بڑی ردّ و کد کے بعد قبول کرلی گئیں ـــــ نتیجہ دیکھا گیا تو بڑا حوصلہ افزا تھا۔

سیٹھ نے ایک دن سوچا۔

"کیوں نہ گیلانی کو ایک فلم ڈائرکٹ کرنے کا موقعہ دیا جائے۔"

جب اس سے پوچھا

"تم کوئی فلم ڈائرکٹ کروگے ـــــ"

تو اس نے بڑی خود اعتمادی سے جواب دیا

"ہاں سیٹھ ـــــ پر اس میں کوئی دخل نہ دے"

کہانی آدھی گیلانی نے خود بنائی ـــــ آدھی ادھر ادھر کے منشیوں سے لکھوائی اور اللہ کا نام لے کر شوٹنگ شروع کردی ـــــ یہ فلم ختم ہوا اور نمائش کے لئے مقامی سینما ہاؤس میں پیش کیا گیا تو اس نے اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔

اس کے بعد اس نے لاہور میں دو فلم بنائے ـــــ یہ بھی سلور جوبلی ہٹ ثابت ہوئے ـــــ ایک کلکتے جاکر پھر بنایا ـــــ وہ بھی کامیاب تھا۔ یہاں وہ بمبئی پہنچا ـــــ کیونکہ وہاں کے فلمسازوں سے بڑی تگڑی تگڑی آفریں بھیجی

تھیں ــــ چنانچہ ایک جگہ اس نے آفر قبول کرکے کنٹریکٹ پر دستخط کردیئے اور کہانی چمن دے کا منظرنامہ خود لیا گیا ــــ فلم بن گیا ــــ اور اتنا بڑا باکس آفس ثابت نہ ہوا ــــ

شائد اس لئے کہ بٹوارے کے باعث دوسرے شہروں کے مانند بمبئی میں بھی فرقہ وارانہ فسادات شروع ہوگئے۔ جس طرح دوسرے مسلمان ہجرت کر رہے تھے اس طرح گیلانی بھی بمبئی چھوڑ کر کراچی چلا گیا ــــ یہاں سے وہ لاہور پہنچا اور ایک اسٹوڈیو کی داغ بیل رکھی ــــ ساؤنڈ ریکارڈسٹ سے لے کر کیلیں ٹھونکنے والے تک کو اس کی ذاتی نگرانی میں کام کرنا پڑتا تھا۔ قصہ مختصر کہ اسٹوڈیو تیار ہو گیا۔

لاہور کے مسلمان ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔

جب یہ اسٹوڈیو بنا تو ان کی جان میں جان آئی ــــ چنانچہ یہاں شوٹنگ شروع ہو گئی ــــ اس کے بعد یہ چل نکلا ــــ گیلانی اس دوران میں اسٹیج اور ادھر ادھر کے متعلقہ سامان کو درست اور مرمت کرانے میں مشغول رہا اس کا دست راست لاہور ہی کا ایک نوجوان سراج دین تھا ــــ جو قریب قریب آٹھ برس ٹائپ رائٹروں کی ڈال کر کھالو۔

اس کے بعد گیلانی نے خود میرے ٹائپ رائٹر کا معائنہ کیا اور فیصلہ صادر کر دیا کہ مشین میں کوئی نقص نہیں ــــ "

مگر سراج اپنے تجربے کے بل بوتے پر مُصر تھا ــــ۔

"نہیں حضور ــــ یہ اب مرمت طلب ہو چکی ہے ــــ بڑے اور چھوٹے رولر سب نئے لگوانے پڑیں گے ــــ اور ہالنگ ہوگی ــــ اس کا کتا بھی ناقص ہو چکا ہے ۔ وہ بھی پڑے گا ــــ"

"تمہاری ٹانگوں پر ــــ"

"آپ میرا مذاق نہ اڑائیے ــــ اچھا ــــ خیر آپ ہی صحیح کہتے ہیں"

یہ کہہ کر وہ اپنے گنجے سر پر ٹوپی درست کرتا ہوا چلا گیا

گیلانی نے اپنا خاص ٹول بکس منگوایا اور مشین کے سب پرزے الگ الگ کر کے رکھ دیئے کوئی پرزہ پتھر پر گھسایا ــــ کوئی ریگمار پہ ــــ کسی کے سریش لگائی ــــ کسی کو تیل اور ان کو دوبارہ فٹ کر کے فتحمندانہ انداز میں میری طرف دیکھا اور کہا۔

"کیوں صاحب ٹھیک ہو گئی یا نہیں ــــ"

میں نے ایسے ہی کہدیا

"ہاں اب ٹھیک ہے"

گیلانی نے اپنے پاس کھڑے اسسٹنٹ کو بلایا۔

"جاؤ اس الو کے پٹھے ایکسپرٹ سراج کو بلا کر لاؤ ۔"

چند منٹ میں سراج حاضر ہو گیا ــــ

اس نے مشین چلائی تو دس پندرہ بار بار ٹپ ٹپ کرنے کے بعد ہی خاموش ہو گئی۔

سراج نے گیلانی سے کچھ نہ کہا۔

تھوڑے وقفہ کے بعد گیلانی بڑے تحکمانہ لہجے میں اس سے مخاطب ہوا

" اچھا تم اسے بناؤ ـــــ دیکھیں تم کیا تیر مارتے ہو۔ "

مجھے اپنی پندرہ سالہ عزیز مشین کی اس درگت پر ترس آ رہا تھا ـــــ مگر اب کیا ہو سکتا ہے ـــــ جب اس کے انجر پنجر ڈھیلے ہوئے میری آنکھوں کے سامنے پڑے تھے۔

دوسرے دن سراج نے اپنا ٹول بکس ریکارڈنگ میں سے منگوایا اور میری مشین پر اپنی ماہرانہ سرجری شروع کر دی۔

ضروری پرزے نکال کر اس نے علیحدہ رکھ لئے اور باقی حصے پٹرول میں ڈال دیئے

اب ان کی چتا جلانے کے لئے صرف ماچس کی ایک تیلی ہی کافی تھی۔

میں خاموش رہا ـــــ

یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔

کتے کے جبڑوں کو ایک پلاس کے ساتھ زور سے پکڑا۔ اور میری

طرف کرتے ہوئے بولا۔

"لو دیکھ لو —— میں نہ کہتا تھا —— کتا کام نہیں کر رہا —— اس کا تو سنترہ پنج ہی خراب ہے ——"

"سنترہ پنج ——"

"ہاں ——"

اور سراج ایک بار پھر اس کا سنترہ پنج ٹھیک کرنے لگا۔

جسم اور رُوح

مُجیب نے اچانک مجھ سے سوال کیا۔ " کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو۔"

گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ دنیا میں ایسے کئی اشخاص موجود ہیں جو ایک منٹ کے اندر اندر لاکھوں اور کروڑوں کو ضرب دے سکتے ہیں ان کی تقسیم کر سکتے ہیں۔ آنے پائی کا حساب چشم زدن میں آپ کو بتا سکتے ہیں۔"

اس گفتگو کے دوران میں مُنشی یہ کہہ رہا تھا " انگلستان میں ایک آدمی ہے جو ایک نظر دیکھ لینے کے بعد فوراً بتا دیتا ہے کہ اس قطعہ زمین کا طول و عرض کیا ہے ـــ رقبہ کتنا ہے ـــ اس نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ وہ اپنی اس خداداد صلاحیت سے تنگ آگیا ہے وہ جب بھی کہیں باہر کھلے کھیتوں میں نکلتا ہے تو ان کی ہر ... ...

ان کا حسن اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ اور وہ اس قطعہ زمین کی پیمائش اپنی آنکھوں کے ذریعہ سے شروع کردیتا ہے ایک منٹ کے اندر اندر وہ اندازہ کرلیتا ہے کہ زمین کا یہ ٹکڑا کتنا رقبہ رکھتا ہے اس کی لمبائی کتنی ہے چوڑائی کتنی ہے پھر اسے مجبوراً اپنے اندازے کا امتحان لینا پڑتا ہے "فیتہ ٹیپ" کے ذریعہ سے اس خطہ زمین کو ماپتا اور وہ اس کے اندازے کے عین مطابق نکلتا۔ اگر اس کا اندازہ غلط ہوتا تو اسے بہت تسکین ہوتی۔ بعض اوقات فاتح اپنی شکست سے بھی ایسی لذت محسوس کرتا ہے۔ جو اسے فتح سے نہیں ملتی اصل میں شکست دوسری شاندار فتح کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

میں نے مغنی سے کہا۔ "تم درست کہتے ہو — دنیا میں ہر قسم کے عجائبات موجود ہیں۔"

میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ مجیب جو اس گفتگو کے دوران کافی پی رہا تھا اچانک مجھ سے سوال کیا۔

"کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو۔"

میں سوچنے لگا کہ مجیب کس آدمی کے متعلق مجھ سے پوچھ رہا ہے

حامد — نہیں۔ وہ آدمی نہیں میرا دوست ہے۔

عباس۔ اس کے متعلق کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں

ہو سکتی تھی۔ شبیر۔ اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ آخر یہ کس
آدمی کا حوالہ دیا گیا تھا۔

میں نے مجیب سے کہا۔ "تم کس آدمی کا حوالہ دے رہے ہو"

مجیب مسکرایا۔ "تمہارا حافظہ بہت کمزور ہے"

"بھئی میرا حافظہ تو بچپن سے ہی کمزور رہا ہے۔ تم پہیلیوں میں
باتیں نہ کرو — بتاؤ وہ کون آدمی ہے۔ جس سے تم میرا تعارف کرانا
چاہتے ہو۔۔۔"

مجیب کی مسکراہٹ میں اب ایک طرح کا اسرار تھا۔ "بوجھ لو"

"میں کیا بوجھوں گا جبکہ وہ آدمی تمہارے پیٹ میں ہے"

عارف، اصغر اور مسعود بے اختیار ہنس پڑے عارف نے مجھ سے
مخاطب ہو کر کہا۔ "وہ آدمی اگر مجیب کے پیٹ میں ہے تو آپ کو اس
کی پیدائش کا انتظار کرنا پڑے گا۔

میں نے مجیب کی طرف ایک نظر دیکھا اور عارف سے مخاطب ہوا
میں اپنی ساری عمر اس مہدی کی ولادت کا انتظار نہیں کر سکتا ہوں"

مسعود نے اپنے سگریٹ کو ایش ٹرے کے قبرستان میں دفن کرتے ہوئے
کہا۔ "دیکھئے صاحبان ہمیں اپنے دوست مسٹر مجیب کی بات کا مذاق
نہیں اڑانا چاہئے۔ یہ کہہ کر وہ مجیب سے مخاطب ہوا۔ "مجیب

صاحب فرمائیے آپ کو کیا کہنا ہے —— ہم سب بڑے غور سے سنیں گے۔"

مجیب تھوڑی دیر خاموش رہا۔ اس کے بعد اپنا بجھا ہوا چرٹ سلگا کر بولا۔ معذرت چاہتا ہوں کہ میں نے اس آدمی کے متعلق آپ سے پوچھا۔ جیسے آپ جانتے نہیں۔"

میں نے کہا۔ "مجیب تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ بہرحال تم اس آدمی کو جانتے ہو ——"

مجیب نے بڑے وثوق کے ساتھ کہا۔ "بہت اچھی طرح —— جب ہم دونوں برما میں تھے تو دن رات اکٹھے رہتے تھے۔ عجیب و غریب آدمی تھا"

مسعود نے پوچھا۔ "کس لحاظ سے "

مجیب نے جواب دیا۔ "ہر لحاظ سے —— اس جیسا آدمی آپ نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔

میں نے کہا۔ بھائی مجیب اب بتا بھی دو وہ کون حضرت تھے۔

بس حضرت ہی تھے۔"

عارف مسکرایا۔ چلو قصہ ختم ہوا —— وہ حضرت تھے اور بس ——!

مسعود یہ جاننے کے لئے بیتاب تھا۔ کہ وہ حضرت کون

تھے ۔؟ بھئی مجیب تمہاری ہر بات نرالی ہوتی ہے۔ تم بتاتے کیوں نہیں ہو کہ وہ کون آدمی تھا۔
جس کا ذکر تم نے اچانک چھیڑ دیا
مجیب طبعاً خاموشی پسند تھا۔ اس کے دوست احباب ہمیشہ اس کی طبیعت سے نالاں رہتے ۔۔۔۔ لیکن اس کی باتیں بچی تلی ہوتی تھیں۔
تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔" معذرت خواہ ہوں کہ میں نے خواہ مخواہ آپ کو اس مخمصے میں گرفتار کر دیا ۔۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب یہ گفتگو شروع ہوئی تو میں کھو گیا۔ مجھے مجھے وہ زمانہ یاد آ گیا جس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔
میں نے پوچھا وہ ایسا زمانہ کونسا تھا۔"
مجیب نے اب ایک لمبی کہانی بیان کرنا شروع کر دی۔" اگر آپ سمجھتے ہوں کہ اس زمانے سے میری زندگی کے کسی رومان کا تعلق ہے تو میں آپ سے کہوں گا کہ آپ کم فہم ہیں۔"
میں نے مجیب سے کہا۔" ہم تو آپ کے فیصلے کے منتظر ہیں"
اگر آپ یہی سمجھتے ہیں کہ آپ کم فہم ہیں تو ٹھیک ہے۔ لیکن وہ آدمی
مجیب مسکرایا۔ وہ آدمی تھا ۔۔۔۔ لیکن اس میں حذف تے

بہت سی توتیں بخشی تھیں۔ "

مسعود نے پوچھا۔ " مثال کے طور پر۔ "

" مثال کے طور پر یہ کہ وہ ایک نظر دیکھنے کے بعد بتا سکتا تھا کہ آپ نے کس رنگ کا سوٹ پہنا تھا۔ ٹائی کیسی تھی۔ آپکی ناک ٹیڑھی تھی یا سیدھی ـــــ آپکے کس گال پر کہاں اور کس جگہ تل تھا۔ آپ کے ناخن کیسے ہیں۔ آپ کی داہنی آنکھ کے نیچے زخم کا نشان ہے۔ آپ نے بھنویں مونڈی ہوئی ہیں۔ موزے فلاں ساخت کے پہنے ہوئے تھے قمیض پوپلین کی تھی مگر گھر میں دھلی ہوئی۔ "

یہ سن کر میں نے واقعتاً محسوس کیا کہ جس شخص کا ذکر مجیب کر رہا ہے عجیب و غریب ہستی کا مالک ہے چنانچہ میں نے اس سے کہا " بڑا معرکہ خیز آدمی تھا۔ "

" جی ہاں۔ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ـــــ اس کو اس بات کا علم تھا کہ اگر وہ کوئی منتظر، کوئی مرد، کوئی عورت صرف ایک نظر دیکھ لے تو وہ اسے من وعن اپنے الفاظ میں بیان کر سکتا ہے جو کبھی غلط نہیں ہوں گے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا اندازہ ہمیشہ درست ثابت ہوتا تھا۔

میں نے پوچھا۔ کیا یہ واقعی درست تھا۔ "

سوئیفد ——— ایک مرتبہ میں نے اس سے بازار میں پوچھا۔ یہ لڑکی جو ابھی ابھی ہمارے پاس سے گزری ہے۔ کیا تم اس کے متعلق بھی تفصیلات بیان کر سکتے ہو۔

میں اس لڑکی سے ایک گھنٹہ پہلے مل چکا تھا۔ وہ ہمارے ہمسائے سرج لوجوائے کی بیٹی تھی۔ اور میری بیوی سے سلائی کے ستعارہ لینے آئی تھی میں نے اسے غور سے دیکھا اس لئے لیزرس امتحان میں سنے مجیب سے یہ سوال کیا تھا۔

مجیب مسکرایا۔

" تم میرا امتحان لینا چاہتے ہو۔"

" نہیں ——— نہیں ——— یہ بات نہیں ——— میں ——— میں "

" نہیں۔ تم میرا امتحان لینا چاہتے ہو۔ خیر سنو۔ وہ لڑکی جو ابھی ابھی ہمارے پاس سے گزری ہے اور جسے ۔ جیسے میں اچھی طرح نہیں دیکھ سکا۔ مگر لباس کے متعلق کچھ کہنا فضول ہے اسلئے کہ ہر وہ شخص جس کی آنکھیں سلامت ہوں اور ہوش و حواس درست ہوں کہہ سکتا ہے کہ وہ کس قسم کا تھا۔ ویسے ایک چیز جو مجھے اس میں خاص طور پر دکھائی دی وہ اسکے داہنے ہاتھ کی چھنگلیا تھی اس میں کسی قدر خم ہے بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن معزوب تھا۔

اس نے لپ اسٹک لگے ہونٹوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آرائش کے فن سے محض کوری ہے۔

مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس نے ایک معمولی سی نظر میں یہ سب چیزیں کیسے بھانپ لیں ـــــ میں ابھی اسی حیرت میں غرق تھا کہ مجیب نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ اس میں جو خاص چیز مجھے نظر آئی وہ اس کے داہنے گال کا داغ تھا ـــــ غالباً لاہورہ سول پھوڑے کا ہے"

مجیب کا کہنا درست تھا ـــــ میں نے اس سے پوچھا۔ یہ سب باتیں جو تم اتنے وثوق سے کہتے ہو تمہیں کیونکر معلوم ہو جاتی ہیں"

مجیب مسکرایا۔ میں اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں ہر آدمی کو صاحب نظر ہونا چاہیئے۔ صاحب نظر سے میری مراد ہر اس شخص سے ہے جو ایک ہی نظر میں دوسرے آدمی کے تمام خدوخال دیکھ لے۔

میں نے اس سے پوچھا
"خدوخال دیکھنے سے کیا ہوتا ہے"
"بہت کچھ ہوتا ہے ـــــ خدوخال ہی تو انسان کا صحیح کردار بیان کرتے ہیں۔"

" کرتے ہوں گے۔ میں تمہارے اس نظریئے سے متفق نہیں ہوں۔"

" نہ ہو — مگر میرا نظریہ اپنی جگہ قائم رہے گا۔"

" رہے — مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بہر حال میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انسان غلطی کا پتلا ہے — ہو سکتا ہے تم غلطی پر ہو۔"

" یار غلطیاں درستیوں سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہیں"

" یہ تمہارا عجیب فلسفہ ہے"

" فلسفہ گائے کا گوبر ہے"

" اور گوبر —"

مجیب مسکرایا۔ " وہ — وہ — اُپلا کہہ لیجئے۔ جو ایندھن کے کام آتا ہے۔"

ہمیں معلوم ہوا کہ مجیب ایک لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا ہے پہلی ہی نگاہ میں اس نے اس کے جسم کے ہر خدوخال کا صحیح جائزہ لے لیا تھا۔ وہ لڑکی بہت متاثر ہوئی جب اسے معلوم ہوا کہ دنیا میں ایسے آدمی بھی موجود ہیں جو صرف ایک نظر میں سب چیزیں دیکھ جاتے ہیں تو وہ مجیب سے شادی کرنے کے لئے رضامند ہو گئی۔

ان کی شادی ہو گئی — دلہن نے کیسے کپڑے پہنے تھے اس

کی دائیں کلائی میں کس ڈیزائن کی رسٹ لیچی تھی ـــــ اس میں کتنے نگینے تھے ـــــ!

یہ سب تفصیلات کس نے ہمیں بتائیں

. . . .

ان تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں میں طلاق ہو گئی ۔

٭

اب اور کہنے کی ضرورت نہیں

یہ دنیا بھی عجیب و غریب ہے ـــ خاص کر آج کا زمانہ ـــ
قانون کو جس طرح فریب دیا جاتا ہے اس کے متعلق شاید آپ کو
زیادہ علم نہ ہو۔ آج کل قانون ایک بے معنی چیز بن کر رہ
گیا ہے۔ ادھر کوئی نیا قانون بنتا ہے ادھر یار لوگ اس کا توڑ
سوچ لیتے ہیں اس کے علاوہ اپنے بچاؤ کی کئی صورتیں پیدا
کر لیتے ہیں۔

کسی اخبار پر آفت آتی ہو تو آیا کرے اس کا مالک محفوظ و مامون
رہے گا۔ اسلئے کہ پرنٹ لائن میں کسی نعمانی یا دھوبی کا نام بحیثیت
پرنٹر پبلشر اور ایڈیٹر کے درج ہوگا۔ اگر اخبار میں کوئی ایسی تحریر

چھپ گئی۔ جس پر گورنمنٹ کو اعتراض ہو تو اصل مالک کے بجائے وہ دھوبی یا قصائی گرفت میں آجائے گا۔ اس کو جرمانہ ہوگا یا قید۔ جرمانہ تو ظاہر ہے اخبار کا مالک ادا کر دے گا۔ مگر قید تو وہ ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن ان دو پارٹیوں کے درمیان اس قسم کا معاہدہ ہوتا ہے کہ اگر قید ہوئی تو وہ اس کے گھر اتنے روپے ماہوار پہنچا دیا کریگا ایسے معاہدہ میں خلاف ورزی بہت کم ہوتی ہے۔

جو لوگ ناجائز طور پر شراب بیچتے ہیں۔ ان کے پاس دو تین آدمی ایسے ضرور موجود ہوتے ہیں جن کا صرف یہ کام ہے کہ اگر پولیس چھاپہ مارے تو وہ گرفتار ہو جائیں اور چند ماہ کی قید کاٹ کر واپس آجائیں اس کا معاوضہ ان کو معقول مل جاتا ہے۔

چھاپہ مارنے والے بھی پہلے ہی سے مطلع کر دیتے ہیں کہ ہم آرہے ہیں۔ تم اپنا انتظام کر لو ——— چنانچہ فوراً انتظام کر لیا جاتا ہے۔ یعنی مالک غائب غلہ ہو جاتا ہے اور وہ کرائے کے آدمی گرفتار ہو جاتے ہیں ——— یہ بھی ایک قسم کی ملازمت ہے لیکن دنیا میں جتنی ملازمتیں ہیں کچھ اسی قسم کی ہوتی ہیں۔

میں جب امین پہلوان سے ملا تو وہ تین مہینے کی قید کاٹ کر واپس آیا تھا میں نے اس سے پوچھا۔ "امین اس دفعہ کیسے جیل میں گئے۔"

امین مسکرایا۔ "اپنے کاروبار کے سلسلے میں "

"کیا کاروبار تھا۔ "

"جو رہا ہے۔ وہی ہے "

"بھئی بتاؤ تو۔ "

"بتانے کی کیا ضرورت ہے ـــ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ مگر خواہ مخواہ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔"

میں نے تھوڑے سے توقف کے بعد اس سے کہا ـــ امین تمہیں آئے دن جیل میں جانا کیا پسند ہے"

امین پہلوان مسکرایا۔ " جناب ـــ پسند اور ناپسند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ـــ لوگ مجھے پہلوان کہتے ہیں حالانکہ میں نے آج تک اکھاڑے کی شکل نہیں دیکھی ـــ اَن پڑھ ہوں ـــ کوئی اور ہنر بھی مجھے نہیں آتا ـــ بس جیل جانا آتا ہے۔ وہاں میں خوش رہتا ہوں ـــ مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی ـــ آپ ہر روز دفتر جاتے ہیں۔ ـ

کیا وہ جیل نہیں ـــ "

میں لاجواب ہو گیا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو امین لیکن دفتر جانے والوں کا معاملہ دوسرا ہے ـــ لوگ انہیں بری نگاہوں سے نہیں دیکھتے

" کیوں نہیں دیکھتے۔ ضلع کچہری کے جتنے منشی اور کلرک ہیں انہیں کون اچھی نظر سے دیکھتا ہے ـــــ رشوتیں لیتے ہیں ـــ جھوٹ بولتے ہیں اور پرلے درجے کے مکّار ہوتے ہیں۔ مجھ میں ایسا کوئی عیب نہیں ـــــ میں اپنی روزی بڑی ایمانداری سے کماتا ہوں۔"

میں نے اس سے پوچھا ـــــ" کس طرح "

اس نے جواب دیا۔ " اس طرح کہ اگر کسی کا کام کرتا ہوں اور قید کاٹتا ہوں جیل میں محنت مشقت کرتا ہوں اور بعد میں اس شخص سے جس کی خاطر میں نے سزا بھگتی تھی۔ مجھے دو تین سو روپیہ ملتا ہے تو یہ میرا معاوضہ ہے۔ اس پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے ـــــ میں رشوت تو نہیں لیتا ـــــ حلال کی کمائی کھاتا ہوں لوگ مجھے غنڈہ سمجھتے ہیں ـــــ بڑا خطرناک غنڈہ ـــــ لیکن میں آپ کو بتا دوں۔ کہ میں نے آج تک کسی کے تھپڑ بھی نہیں مارا۔ میری لائن بالکل الگ ہے ـــــ"

اس کی لائن واقعی دوسروں سے الگ تھی ـــــ مجھے حیرت تھی کہ تین چار مرتبہ قید کاٹنے کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی وہ بڑا سنجیدہ مگر گنوار قسم کا آدمی تھا جس کو کسی کی پرواہ نہیں

تھی قید کاٹنے کے بعد جب بھی آتا تو اس کا وزن کم از کم دس پاؤنڈ زیادہ ہوتا۔

ایک دن میں نے اس سے پوچھا۔ "امین کیا وہاں کا کھانا تمہیں راس آتا ہے۔"

اس نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا "کھانا کیسا بھی ہو۔ اس کو راس کرنا آدمی کا اپنا کام ہے —— مجھے دال سے نفرت تھی۔ لیکن جب پہلی مرتبہ مجھے وہاں کنکروں بھری دال دی گئی اور ریت ملی روٹی، تو میں نے کہا —— امین یار —— یہ سب سے اچھا کھانا ہے، کھا ڈنڈ پیل اور خدا کا شکر بجالا۔ چنانچہ میں ایک دو روز ہی میں عادی ہو گیا —— مشقت کرتا۔ کھانا کھاتا اور یوں محسوس کرتا جیسے میں گنجے کے ہوٹل سے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے۔"

میں نے ایک دن اس سے پوچھا۔ "تم نے کبھی کسی عورت سے بھی محبت کی ہے"

اس نے اپنے دونوں کان پکڑے —— خدا بچائے اس محبت سے مجھے صرف اپنی ماں سے محبت ہے"

میں نے اس سے پوچھا۔ "تمہاری ماں زندہ ہے"

"جی ہاں —— خدا کے فضل و کرم سے —— بہت بوڑھی ہے

لیکن آپ کی دعا سے اس کا سایہ میرے سر پر دیر تک قائم رہے گا اور وہ تو ہر وقت میرے لیے دعائیں مانگتی رہتی ہے۔ کہ خدا مجھے نیکی کی ہدایت کرے۔۔۔"

میں نے اس سے کہا۔ "خدا تمہاری ماں کو سلامت رکھے۔ پر میں نے یہ پوچھا تھا۔ کہ تمہیں کسی عورت سے محبت ہوئی ہے یا نہیں دیکھو جھوٹ نہیں بولنا۔

امین پہلوان نے بڑے تیز لہجے میں کہا۔ "میں نے اپنی زندگی میں آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا ——— میں نے کسی عورت سے محبت نہیں کی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیوں۔"

اس نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ مجھے اس سے دلچسپی ہی نہیں۔"

میں خاموش ہو رہا۔

تیسرے روز اس کی ماں پر فالج گرا اور وہ راہیٔ ملک عدم ہوئی۔ امین پہلوان کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں تھا وہ سوگوار مغموم اور دل شکستہ بیٹھا تھا کہ شہر کے ایک رئیس کی طرف سے اسے بلاوا آیا۔ وہ اپنی عزیز ماں کی میت چھوڑ کر اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کیوں میاں صاحب آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے۔"

میاں صاحب نے کہا۔ "تمہیں کیوں بلایا جاتا ہے ـــــ ایک خاص کام ہے۔"

امین نے جس کے دل و دماغ میں اپنی ماں کا کفن دفن تیر رہا تھا پوچھا "حضور یہ خاص کام کیا ہے۔"

میاں صاحب نے سگریٹ سلگایا۔ "بلیک مارکیٹ کا قصہ ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ آج میرے گودام پر چھاپہ مارا جائے گا۔ سو میں نے سوچا کہ امین پہلوان بہترین آدمی ہے جو اسے نپٹا سکتا ہے۔"

امین نے بڑے مغموم اور زخمی انداز میں کہا۔ "آپ فرمائیے۔ میں آپ کی خدمت کیا کر سکتا ہوں۔"

"یعنی خدمت ودمت کی بات تم مت کرو ـــــ بس صرف اتنی سی بات ہے کہ جب چھاپہ پڑے تو گودام کے مالک تم ہو گے۔ گرفتار ہو جاؤ گے۔ زیادہ سے زیادہ جرمانہ پانچ ہزار روپے ہو گا۔ اور ایک دو برس کی قید۔"

"مجھے کیا ملے گا۔"

"جب وہاں سے رہا ہو کر آؤ گے تو معاملہ طے کر لیا جائے گا۔"

امین نے میاں صاحب سے کہا۔ "حضور یہ بہت دور کی بات ہے جرمانہ تو آپ ادا کر دیں گے۔ لیکن قید تو مجھے کاٹنی پڑے گی۔"

آپ باقاعدہ سودا کریں۔

میاں صاحب مسکرائے۔ "تم سے آج تک میں نے کبھی وعدہ خلافی کی ہے ـــــ پچھلی دفعہ میں نے تم سے کام لیا۔ اور تم کو تین مہینے کی قید ہوئی۔ تو کیا میں نے جیل خانے میں ہر قسم کی سہولت بہم نہ پہنچائی۔" تم نے باہر آکر مجھ سے کہا کہ تمہیں وہاں کوئی تکلیف نہیں تھی ـــــ اگر تم کچھ عرصہ کے لئے جیل چلے گئے۔ تو وہاں تمہیں ہر آسائش ہوگی۔

"امین نے کہا۔ "جی ـــ یہ سب درست ہے ـــ لیکن۔"

"لیکن ـ کیا ـ؟

امین کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "میاں صاحب ـ میری ماں مر گئی ہے"

"کب ـ"

"آج صبح ـ"

میاں صاحب نے افسوس کا اظہار کیا۔ "کفنا دفنا دیا ہوگا۔"

امین کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے "میاں صاحب ـ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہو سکا ـــــ میرے پاس تو اتنا کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے۔"

میاں صاحب نے چند لمحات حالات پر غور کیا اور امین سے کہا۔ تو ایسا کرو ۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ تجہیز و تکفین کا بندوبست میں ابھی کئے دیتا ہوں ۔۔۔ تمہیں کسی قسم کا تردد نہیں کرنا چاہیئے ۔۔۔ تم گودام پر جاؤ اور اپنی ڈیوٹی سنبھالو۔"

امین نے اپنی میلی قمیض کی آستین سے آنسو پونچھے۔ لیکن میاں صاحب میں ۔۔۔ میں اپنی ماں کے جنازے کو کندھا بھی نہ دوں۔"

میاں صاحب نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔" یہ سب رسمی چیزیں ہیں مرحوم کو دفنانا ہے۔ سو یہ کام بڑی اچھی طرح سے ہو جائے گا۔ تمہیں جنازے کے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے ۔ تمہارے ساتھ جانے سے مرحوم کو کیا راحت پہنچے گی ۔۔۔ وہ تو بے چاری اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے ۔۔۔ اس کے جنازے کے ساتھ کوئی بھی جائے ۔۔۔ کیا فرق پڑتا ہے ۔ اصل میں تم لوگ جاہل ہو۔ میں اگر مر جاؤں تو مجھے کیا معلوم ہے کہ میرے جنازے میں کس کس عزیز اور دوست نے شرکت کی تھی ۔ مجھے اگر جلا بھی دیا جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میری لاش کو چیلوں اور گدھوں کے حوالے کر دیا جائے تو مجھے اس کی کیا خبر ہوگی۔ تم زیادہ جذباتی نہ بنو دنیا میں سب سے ضروری چیز یہ ہے ۔ کہ اپنی ذات کے متعلق سوچا

سو جا جائے —— میں پوچھتا ہوں۔ تمہاری کمائی کے ذرائع کیا ہیں۔

امین سوچنے لگا۔ چند لمحات اپنی بساط کے مطابق غور کرنے کے بعد اس نے جواب دیا —" حضور میری کمائی کے ذرائع آپ کو معلوم ہیں۔ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں۔"

"میں نے اس لئے پوچھا تھا۔ کہ تمہیں میرا کام کرنے میں کیا حیل وحجت ہے۔ میں تمہاری ماں کی تجہیز و تکفین کا ابھی بندوبست کئے دیتا ہوں اور جب تم جیل سے واپس آؤ گے تو۔"

امین پہلوان نے بڑے بینڈے انداز میں پوچھا —" تو آپ میرا بھی بندوبست کر دیں گے۔"

میاں صاحب بوکھلا گئے۔" تم کیسی باتیں کرتے ہو امین پہلوان۔"

امین پہلوان نے ذرا درشت لہجے میں کہا۔" امین پہلوان کی ایسی کی تیسی، آپ یہ بتائیے کہ مجھے کتنے روپے ملیں گے —— میں ایک ہزار سے کم نہیں لوں گا۔

ایکہزار تو بہت زیادہ نہیں"

امین نے کہا۔ زیادہ ہے یا کم —— میں کچھ نہیں جانتا —— میں جب قید کاٹ کر آؤں گا۔ تو اپنی ماں کی قبر پختہ بناؤں گا سنگ مرمر

کی ــــ وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہے۔

میاں صاحب نے اس سے کہا۔ اچھا بھئی ایکسٹرا رہی اے لینا۔"

امین نے میاں صاحب سے کہا۔" تو لائیے اتنے روپے دیجئے کہ میں کفن دفن کا انتظام کر لوں ــــ اس کے بعد میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔"

میاں صاحب نے اپنی جیب سے بٹوہ نکالا ــــ لیکن تمہارا کیا بھروسہ ہے۔"

امین کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کو کسی نے ماں بہن کی گالی دی ہے۔ " میاں صاحب آپ مجھے بے ایمان سمجھتے ہیں ــــ بے ایمان آپ ہیں ــــ اس لئے کہ اپنے فعلوں کا بوجھ میرے سر پر ڈال رہے ہیں۔

میاں صاحب موقع شناس تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ امین بگڑ گیا ہے چنانچہ اس نے فوراً اسے اپنا چرب زبانی سے رام کرنے کی کوشش کی لیکن امین پر کوئی اثر نہ ہوا

جب وہ گھر پہنچا۔ تو دیکھا کہ غسال اسکی ماں کو آخری غسل دے چکے ہیں کفن بھی پہنایا جا چکا ہے ــــ امین بہت متحیر ہوا کہ اس پر یہ مہربانی کس نے کی ہے ــــ میاں صاحب نے ــــ

لیکن وہ تو سودا کرنا چاہتے تھے۔

اس نے ایک آدمی سے جو تابوت کو سجانے کے لئے پھول گوندھ رہا تھا پوچھا۔ " یہ کس آدمی نے اتنا اہتمام کیا ہے "

پھول والے نے جواب دیا۔ " حضور آپ کی بیوی نے "

امین چکرا گیا ــــــ وہ اپنے شدید تعجب کا مظاہرہ کرتا مگر خاموش رہا۔ پھول والے سے صرف اتنا پوچھا ــــــ " کہاں ہیں وہ ــــــ "

پھول والے نے جواب دیا۔ " جی اندر ہیں ــــــ آپ کا انتظار کر رہی تھیں ــ "

امین اندر گیا۔ تو دیکھا کہ ایک نوجوان، خوبصورت لڑکی اس کی چارپائی پر بیٹھی ہے ــــــ امین نے اس سے پوچھا۔ " آپ کون ہیں ــــــ یہاں کیوں آئی ہیں ــ "

اس لڑکی نے جواب دیا۔ میں آپ کی بیوی ہوں ــ یہاں کیوں آئی ہوں یہ آپ کا عجیب و غریب سوال ہے۔ "

امین نے اس سے پوچھا۔ میری بیوی تو کوئی بھی نہیں۔ بتاؤ تم کون ہو؟

لڑکی مسکرائی۔

"میں ــــ میاں ــــ دین کی بیٹی ہوں ــــ اُن سے جو آپ کی گفتگو ہوئی میں نے سب سنی ــــ اور ــــ اور ــــ!

امین نے کہا۔

"اَب اور کہنے کی ضرورت نہیں۔"

٭

تپش کاشمیری

مجھے ان کا اصل نام ابھی تک معلوم نہیں ـــــ حالانکہ میں ان کو بارہ
برس سے جانتا ہوں ـــــ سات برس تو ہم اکٹھے ایک ساتھ رہے ـــ دراصل
ان کا نام پوچھنے کی مجھے کبھی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی ـــــ تپش کاشمیری کافی
تھا ـــ!

وہ اسی نام سے مشہور تھے۔

تپش کاشمیری عجیب وغریب شخصیت کے مالک تھے جب وہ لاہور میں
تھے تو ضلع کچہری کی ایک عدالت میں اہلمد تھے۔ آپ نے ترقی کی طرف
قدم بڑھایا تو آپ پیادہ ہو گئے ـــــ اس ترقی معکوس کا ان پر کچھ اثر
نہ ہوا اور وہ ہر حالت میں خوش رہتے تھے۔

جس مجسٹریٹ سے وہ منسلک تھے۔ اس کی روزانہ ہجو لکھتے اور کاغذ
اسی کے میز پر رکھ آتے ـــــ وہ چیختا چلاتا ـــــ مگر تپش صاحب خاموش

رہتے۔ جیسے ان کو کسی بات کا علم ہی نہیں ـــــ فی البدیہہ شعر کہنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے ـــــ

ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ بمبئی میں ایک ناگپوری شاعر نے جو بزعم خود فی البدیہہ شعر کہنے میں ...... ظفر علی خان سے کئی مصرعے آگے تھے۔ تپش صاحب سے کہا۔

" حضرت چلو آج گفتگو شعروں ہی میں ہو ـــــ "

تپش صاحب نے بڑی انکساری کے ساتھ کہا۔

" جیسے آپ کی مرضی ـــــ "

اور ساتھ ہی گفتگو کا آغاز ایک شعر سے کر دیا ـــــ ناگپوری شاعر سٹ پٹا گئے اور ذہن پر زور دے کر تپش صاحب کے اس شعر کا جواب شعر میں فکر کرنے لگے۔

تپش صاحب نے فوراً ایک اور شعر گڑھ کر ان سے پوچھا کہ جناب دیر کیوں لگا رہے ہیں ـــــ جلدی گفتگو شروع کیجئے۔ "

ناگپوری شاعر بوکھلا گیا

میرا خیال ہے ان کے اس استفسار سے اس کے دماغ سے وہ سب کچھ نکل گیا جو اس نے بڑی محنت سے سوچا تھا۔

تپش صاحب نے اس پر تین چار شعر اور چپت کر دیئے اور وہ بیچارہ

ناگپوری چارمں خاں نے چت ہو گیا۔

یہ بات میں یہاں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تپش صاحب کی شاعری میں کوئی جان نہیں ــــ یوں تو ان کا ہر شعر بڑا جچا تلا ہوتا ہے۔ اعروض کی کوئی خامی نہیں ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دھرم کانٹے میں تل کر آیا ہے بڑی سنگلاخ زمینوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں اور قریب قریب ہر روز دو تین غزلیں یا نظمیں فی البدیہہ لکھتے ہیں لیکن شاذونادر ان کے قلم سے کوئی ایسا شعر نکلتا ہے۔ جو صحیح معنوں میں شعر کہلانے کا مستحق ہو۔

انہوں نے بلا مبالغہ دس بارہ لاکھ شعر لکھے ہوں گے مگر ان کو وہ باعث افتخار نہیں سمجھتے وہ خود کو بھی شاعر کہلانا ناپسند نہیں کرتے ان کو اپنی شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

پیشتر اس کے کہ میں کچھ اور بیان کروں میں تپش صاحب کی عجیب وغریب شخصیت کے بارے میں چند اور باتیں بھی بتانا چاہتا ہوں جو بہت دلچسپ اور حیرت انگیز ہیں۔

ایک زمانہ تھا وہ لاہور کے ضلع کچہری میں ملازم تھے ایک وقت ایسا آیا کہ ان کو اسلامیہ اسکول کے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا۔ بڑا افلاطونی قسم کا ان کو معلوم ہوا کہ یہ لڑکا نماز پڑھتا ہے۔ صبح سویرے اپنے محلے کی مسجد میں فجر کی نماز ادا کرنے جاتا ہے۔ یہ معلومات حاصل ہوتے ہی آپ صبح تین

نبجے اٹھتے۔

سخت سردیوں کا موسم تھا۔ مسجد میں جاکر جھاڑو دیتے۔ پھر ٹھنڈے یخ پانی سے غسل کرتے اور اذان دینا شروع کردیتے۔ مسجد کا ملّا جو بہت ہی بڈھا اور سُست تھا اپنے حجرے میں چونک پڑتا کہ یہ اذان کون دے رہا ہے۔ جب تک وہ اٹھ کر باہر نکلتا تپش صاحب نے امامت شروع کر دی ہوتی تھی وہ لڑکا ان کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوتا اس سے ان کو بڑی روحانی مسّرت حاصل ہوتی تھی۔

یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔

ایک مرتبہ اس لڑکے کی سائیکل خراب ہوگئی۔ اس نے اپنے نوکر کو دی کہ ٹھیک کرلائے ــــ تپش صاحب نے دیکھ لیا ــــ اور سائیکل نوکر سے لے کر ایک دوکان پر لے گئے اس کے تمام پرزے علیحدہ کر دیئے۔ مٹی کے تیل میں ڈبو کر ان کو صاف کیا ــــ دوکاندار سے جو ان کا دوست تھا کپڑا مانگا کہ وہ انہیں خشک کریں ــــ مگر اس کے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ تپش صاحب نے اپنی نئی بوسکی کی قمیض اتاری، اس کو پھاڑا۔ اور تمام پرزوں پر سے تیل خشک کرکے ان کو خوب چمکایا ــــ جب سائیکل ٹھیک ہوگئی تو اس لڑکے نوکر کے حوالے کردی اور کہا۔

”دیکھو ــــ بابو جی سے مت کہنا کہ میں نے ٹھیک کی ہے۔“

اس لڑکے کی دوستی اسی دوران میں اپنے ایک ہم جماعت سے ہو گئی
تپش صاحب کو اس کا اتنا دُکھ ہوا کہ نیم پاگل سے ہو گئے داڑھی بڑھالی
سخت گرمیاں تھیں ـــــ مگر آپ اوور کوٹ پہنتے تھے ـــــ سر پر پانامہ
ہیٹ اور چھینٹ کی نیکریں ـــــ پاؤں میں فل بوٹ ـــــ لیکن ان کی
باتیں جب بھی غیر متوازن نہیں ہوتی تھیں۔

اس زمانے میں انہوں نے اس لڑکے کے بارے میں بے شمار شعر کہے
جو شعر کہلانے کے مستحق ہیں۔ اس لئے کہ ان میں تپش صاحب کے دل کو
جو ٹھیس پہنچتی تھی۔ اس کا صاف پتہ چلتا ہے۔ ان میں درد ہے کسک
ہے اور افلاطونی عشق کی تمام گہرائیاں بھی موجود ہیں۔

یوں بھی تپش صاحب کو دنیوی معاملات سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی
لیکن اس حادثے کے بعد وہ بالکل بے نیاز ہو گئے ـــــ کھانا ملا ہے تو کھا
لیا ہے نہیں ملا تو کوئی پرواہ نہیں۔

مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا ـــــ

ہم لاہور کے حاجی ہوٹل میں بیٹھے تھے تپش صاحب کھانا کھا چکے تھے
لیکن مجھے کھانا تھا۔ وہ میرے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں ان کے چند
دوست آئے جو پاس والے میز پر بیٹھ گئے ان میں سے ایک نے تپش صاحب
سے علیک سلیک کرنے کے بعد کہا آیئے کھانا تناول فرمایئے۔

تپش صاحب نے شکریہ ادا کیا۔

"خدا آپ کو بہت بہت دے ـــــ میں گھر سے کھا کر آیا ہوں"

ان کے دوست نے بڑا اصرار کیا کہ وہ ضرور کھائیں ـ آخر تنگ آکر وہ ان کے پاس بیٹھ گئے اور بارہ روٹیاں اور سالن منگوائی۔ اس کے بعد فیرنی کی چار پلیٹیں کھائیں اور خدا کا شکر ادا کر کے وہاں سے اٹھے اور میرے پاس چلے آئے ـــــ ان کے اس دوست کی حالت قابل رحم تھی۔ جس نے ازراہ تکلف ان کو دعوت دی تھی۔ وہ بالکل مبہوت تھا۔ وہ شاید اسی لمحے پر لعنتیں در لعنتیں بھیج رہا تھا ـــــ جب اس نے تپش صاحب سے کہا۔

"آیئے کھانا تناول فرمایئے ـــــ"

میرا خیال ہے کہ تپش صاحب میں ذائقے کی حس موجود نہیں تھی ـ وہ ہر چیز کھا سکتے تھے پتھر اور کیلے میں ان کے نزدیک کوئی فرق نہیں تھا کچے چاول ہوں یا ابلے ہوئے ـــــ تازہ ہو یا پانچ چھ روز کی باسی ان کے لئے ایک جیسی تھی۔

میں نے کبھی ان کو کسی چیز کے بارے میں شکایت کرتے نہیں سنا ـــــ جو مل جائے ٹھیک ہے ـــــ لیکن حیرت ہے کہ اس قسم کی تپک طبیعت کا مالک جو فالودے میں کھیر نمکین چائے اور نیلوفر کا شربت ملا کر پی جاتا۔ تمام سبزیاں پتوں اور ڈنٹھلوں کمیت کھاتا ہے ایک ایک پاؤ سرخ مرچیں

پھانک جاتا ہے۔ اپنی صحت کیسے برقرار رکھ سکتا ہے۔

ان کی صحت قابلِ رشک تک اچھی تھی —— سرخ رنگت ، سر کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا —— حالانکہ وہ مجھ سے عمر میں سات آٹھ برس بڑے تھے۔

یعنی چھیالیس سینتالیس برس کے لگ بھگ تھے۔ مگر ان کے مقابلے میں میں بوڑھا دکھائی دیتا تھا میرے سر کے بال آدھے سے زیادہ سفید ہو چکے تھے۔

تپش صاحب کو عورتوں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ صنفِ نازک سے صنفِ کرخت کو کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیئے شیشے کا رشتہ پتھر سے غیر فطری ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو جس کو انہوں نے کبھی گھر میں بسایا ہی نہیں تھا —— آخر اسے طلاق دے کر آزاد کر دیا۔

جب میرے بلانے پر بمبئی آئے تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر آئے تھے مجھ سے انہوں نے اس بات کا ذکر بہت دیر بعد میں کیا —— کیونکہ ان کے خیال کے مطابق یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں تھی۔

لیکن اس کا ردِعمل ان پر اس صورت میں نمودار ہوا کہ انہوں نے باقاعدہ قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی —— مگر ان کی تلاوت کا طریقہ

بھی عجیب و غریب ہے۔

میں نے ایک روز دیکھا کہ وہ صبح سویرے اٹھے غسل کیا۔ اور الف ننگے بدن خشک کیا بغیر کرسی پر بیٹھ گئے۔ حمائل شریف نکالی اور تلاوت شروع کر دی ۔۔۔۔ ایک پارہ پڑھا ۔۔۔ کپڑے پہنے اور باہر نکلے میں حیرت میں گم تھا۔ کہ آخر یہ سلسلہ کیا ہے۔

کہیں ان کا دماغ تو نہیں چل گیا ہے لیکن میرا خیال غلط ثابت ہوا باہر نکل کر انہوں نے ٹرام کے ایک ٹکٹ پر نظم لکھی۔ مجھ سے بڑی پُر مغز گفتگو کی میری زبان کی چند غلطیوں کی طرف میری توجہ دلائی میرے دماغ میں چونکہ بڑی کھد بد ہو رہی تھی اس لئے میں ان سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"تپش صاحب ۔۔۔ آپ ننگے ۔۔۔۔ ننگے بدن قرآن مجید کی تلاوت کیوں کرتے ہیں۔ کیا یہ معیوب نہیں ۔۔۔"

تپش صاحب مسکرائے ۔۔۔

"قرآن میں کہیں بھی یہ حکم صادر نہیں کیا گیا ۔۔۔ کہ آدمی تینوں کپڑے پہن کر اس کی تلاوت کرے ۔۔۔ میں اس لئے کپڑے نہیں پہنتا کہ مبادا ان میں کوئی گندگی کی آلائش ہو ۔۔۔ نہانے کے بعد میں تولئے سے اپنا بدن بھی اسی لئے خشک نہیں کرتا۔"

عجب منطق تھی۔

بہر حال میں خاموش رہا۔ کیونکہ ان سے بات کرنا ایک اچھی خاصی طویل بحث کا آغاز کرنا تھا۔

اسی دوران میں انہیں تپ محرقہ ہو گیا ـــــ میں نے ڈاکٹر کو بلایا۔ سولہ روپے اس کی فیس ادا کی ـــــ مگر تپش صاحب نے اس ڈاکٹر سے بڑے کرخت لہجہ میں کہا۔

"صاحب آپ کو یہاں کس نے بلایا ہے ـــــ مجھے معلوم ہے میرا عارضہ کیا ہے اور مجھے اس کا علاج بھی معلوم ہے ـــــ آپ تشریف لے جائیں تو بہتر ہے"

ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے ـــــ تپش صاحب نے اکیس دن فاقہ کشی کی کچھ کھایا نہ پیا ـــــ اس کے بعد انہوں نے مجھے بلایا اور کہا

"میں اب بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں ـــــ نوکر کو چوپاٹی بھیجو اور آٹھ آنے کا رگڑا منگواؤ ـــــ ڈھیر ساری مرچیں ہوں۔

رگڑا بمبئی کی زبان میں چاٹ کو کہتے ہیں ـــــ یعنی آلو چھولے۔

میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ خوفناک چیزیں منگواؤں یا نہ منگواؤں مگر تپش صاحب کے آگے کیا پیش چل سکتی تھی آخر میں نے نوکر کو چوپاٹی بھیجا اور رگڑا منگوایا۔ جو تپش صاحب نے سب کا سب کھالیا میرا خیال

ہے کہ اس میں اتنی مرچیں اور اتنی کھٹائی تھی جو بیس بائیس آدمیوں کو بھی پیچش یا اسہالِ معدہ کے مرض میں گرفتار کر دیتیں —— لیکن تعجب ہے کہ دوسرے روز وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے ——

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں تپ محرقہ کبھی ہوا ہی نہیں تھا —— میں نے جب اپنی حیرت کا اظہار کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا۔

"برادرم ہر بیماری کے لئے علاج ہوتے ہیں —— ضروری نہیں کہ ہر شخص اپنے مرض کا علاج کسی ڈاکٹر یا حکیم ہی سے کرائے —— خدا نے ہر آدمی کو اپنے عوارض دور کرنے کی ودیعت فرمائی ہے —— وہ اگر اس سے کام لے تو ڈاکٹروں اور طبیبوں کی ضرورت ہی نہیں۔"

وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گئے —— ان کا رنگ جو کسی قدر پیلا ہو گیا تھا چند روز میں رگڑا کھا کھا کر پھر وہی سرخی اختیار کر گیا آپ نے پھر اسی طرح ہر روز نظمیں اور غزلیں کہنا شروع کر دیں —— مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کبھی بیمار ہی نہیں ہوئے۔

بہت دن گزر گئے۔

میرا مطلب ہے قریب قریب ڈھائی مہینے کا عرصہ بیت گیا —— اس کے بعد ایک دن اچانک تپش صاحب نے مجھ سے کہا۔

"میں آپ کے یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھتا ——"

میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں۔"

"کسی دوست کو زیادہ دیر تک تکلیف نہیں دینا چاہیئے۔"

میں نے اُن سے کہا

"مجھے کوئی تکلیف نہیں ——— آپ محض تکلف کر رہے ہیں"

تپش صاحب جس بات کا تہیہ کر لیں ——— بالآخر وہ پوری ہوتی ہے چنانچہ وہ اپنا چھوٹا سا ٹین کا بکس اٹھا کر میرے گھر سے چلے گئے۔ معلوم نہیں کہاں ———

اگر انہوں نے اپنے ٹھکانے کے متعلق مجھے کچھ بتایا ہوتا تو میں یقیناً ہر روز نہیں تو دوسرے تیسرے روز ضرور جاتا ——— مگر وہ اس افراتفری میں گئے کہ میں ان سے کچھ پوچھ نہ سکا ———

ایک دن وہ خود آئے۔ ——— خلاف معمول نیا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ بالوں میں تیل بھی تھا ——— مجھ سے ملتے ہی کہنے لگے۔

"برادرم ——— مجھے عشق ہو گیا تھا دراصل۔"

میں چکرا گیا ——— تپش صاحب اور عشق ——— کیا اس لاہوری کے لڑکے کا کوئی نعم البدل بمبئی میں پیدا ہو گیا ہے۔"

تپش صاحب نے مجھے زیادہ دیر تذبذب میں نہ رکھا اور اپنے عشق

کی روداد سنادی ـــــ مجھے یہ معلوم کرکے بڑی حیرت ہوئی کہ انہیں ایک لڑکی سے عشق ہوا تھا۔

یہ لڑکی ایک مجاور کی بیٹی تھی۔ اس کی ماں مر چکی تھی۔ تپش صاحب وکٹوریہ گارڈن میں اس کو اپنے ساتھ لاتے اور مجھے مجبور کیا۔ کہ اس کا فوٹو اتارا جائے چنانچہ ان کے احکام کے مطابق میں اپنے ایک دوست سے کیمرہ لے کر پہنچا ـــــ

لڑکی خوبصورت تھی ـــــ بڑی الھڑ قسم کی ـــــ تپش صاحب سے بہت جھینپتی تھی۔ اس سے زیادہ مجھ سے اور اس سے بھی زیادہ ارد گرد کے ماحول سے ـــــ!

خیر میں نے چار پانچ پوز لئے ـــــ اور وکٹوریہ گارڈن میں ان دونوں کو چھوڑ کر گھر چلا آیا ـــــ

میرا دل و دماغ بہت مضطرب تھی میرے قیاس میں کبھی یہ چیز آ ہی نہیں سکتی تھی کہ تپش کاشمیری صاحب کبھی کسی عورت سے دلچسپی لیں گے ـــ لیکن جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا وہ اس لڑکی سے جس کا نام مجھے یاد نہیں آ رہا۔ والہانہ محبت کرتے تھے۔

میں نے ایک روز ان سے کہا۔

"تپش صاحب اتنی دیر ہو گئی ہے آپ اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے"

انہوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

" میں روپیہ جمع کر رہا ہوں ۔۔۔" اس کے باپ سے تمام باتوں کا فیصلہ ہو چکا ہے ۔۔۔۔ میں نے اس کے بھائی کے لئے ایک سوٹ بنوا دیا ہے باپ کو بھی کچھ روپے دے چکا ہوں۔ اس لئے کہ اس کے پاس شادی کے اخراجات کے لئے کچھ ۔۔۔۔ بھی نہیں ۔۔۔۔ ایک صوفہ سیٹ ۔۔۔ ایک ڈریسنگ ٹیبل اور چار کرسیاں بھی خرید کر اس کے باپ کے حوالے کر دیں ۔۔۔ میں چاہتا ہوں شادی کے بعد ان ہی کے ساتھ رہوں ۔۔۔ وہ اداس نہیں ہو گی ۔"

میں نے کہا۔

" یہ تو بہت اچھا اور نیک خیال ہے "

تپش صاحب ذرا پھول سے گئے۔

" میں حرام کاری کا قائل نہیں ۔۔۔۔ اس سے باقاعدہ عقد کرنا چاہتا ہوں"

میں نے ان سے اس خدشے کا ذکر کیا جو اچانک میرے دماغ میں پیدا ہو گیا تھا ۔۔۔ "

" ہو سکتا ہے ۔۔۔ کوئی اور ۔۔۔ میرا مطلب ہے کوئی اور آپ یہ راز نہ جانئے ۔۔ "

تپش صاحب کے گال اور زیادہ سرخ ہو گئے ۔۔۔ "

" کون بازی لے جاسکتا ہے مجھ پر ـــــ میں شاعر ہوں ـــــ لیکن اد ـــــ دوہے کا منڈا بھی ہوں میں قلم کے علاوہ لٹھ سے بھی کام لینا جانتا ہوں ـــــ "

تپش صاحب گھر بنانے کی فکر میں مصروف تھے. کہ اس لڑکی کا معاشقہ ایک نوجوان پہلوان سے ہوگیا ـــــ اسی دوران میں لڑکی کے باپ کو ہیضہ ہوا اور وہ دو دن کے بعد راہیٔ ملک عدم ہوا۔

تپش صاحب نے اس کی تجہیز و تکفین کا سامان کیا ـــــ بڑے احترام سے اس کو دفن کیا۔

چوتھے روز انہیں معلوم ہوا کہ لڑکی اس نوجوان پہلوان کے ساتھ بھاگ گئی ہے ـــــ !

یہ انہیں عین اس وقت معلوم ہوا جب وہ کھیت واڑی اسٹریٹ سے نکلے تھے تپش صاحب نے سائیکل کرائے پر لی اور اس موٹر کا تعاقب کیا جس میں پہلوان اس لڑکی کو اغوا کر کے لے جا رہا تھا۔

تپش صاحب نے ان کو پکڑ لیا ہوتا ـــــ مگر ان کی سائیکل ایک وکٹوریہ گاڑی کی جھپٹ میں آگئی ـــــ آپ بہت بری طرح زخمی ہوئے دائیں کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی

دوستوں نے انہیں ہسپتال میں داخل کرادیا۔

یہ چوٹ اتنی اثر انداز ہوئی ——— کہ وہ کئی دن بیہوش رہے
ان کا بازو پلاسٹک میں بندھا ہوا تھا ——— ہلنے چلنے کی اجازت
نہیں تھی۔
پر جب انہیں ذرا سا ہوش آیا تو انہوں نے یہ ٹھانی کہ ہسپتال
سے کسی نہ کسی طریقے سے باہر نکلنا چاہیئے۔
جنرل وارڈ میں تھے —!
جب دیکھا کہ ڈاکٹر کھانا کھانے گئے ہیں ——— تو وارڈ سے
نکل آتے۔ اور سیدھے میرے پاس آئے۔ اور کہا۔
"مجھ سے فضول باتیں مت پوچھنا۔"
میں نے ان سے کوئی فضول بات نہ پوچھی۔
لیکن —!
ایک دن انہوں نے مجھ سے پوچھا
"میں اب کیا کروں ———"
اب اس کا میرے پاس کیا جواب ہو سکتا ہے ——— میں نے
صرف اتنا کہا۔
" تپش صاحب ——— آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں ——— میں
تو کم عقل ہوں ———"

تپش صاحب، میرا یہ جواب سن کر چند لمحات خاموش رہے۔
اس کے بعد کہا۔
"ٹھیک ہے۔ ہر شخص اپنے معاملات اچھی طرح جانتا ہے"
دوسرے دن سے انہوں نے زنانہ لباس پہننا شروع کر دیا۔ یہ
وہی کپڑے تھے جو انہوں نے اس لڑکی کے لئے بنوائے تھے۔

رشوت

احمد دین کھاتے پیتے آدمی کا لڑکا تھا ـــــ اپنے ہم عمر لڑکوں میں
سب سے زیادہ خوش پوش مانا جاتا تھا ـــــ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا
کہ وہ بالکل خستہ حال ہو گیا۔

اس نے بی اے کیا اور اچھی پوزیشن حاصل کی ـــــ وہ بہت خوش تھا
ـــــ اس کے والد خان بہادر عطاء اللہ کا ارادہ تھا کہ اسے اعلیٰ تعلیم کے
لئے ولایت بھیجیں گے۔ پاسپورٹ لے لیا گیا تھا ـــــ سوٹ وغیرہ بھی بنوا
لئے گئے تھے کہ اچانک خان بہادر عطاء اللہ نے جو بہت شریف آدمی تھے
کسی دوست کے کہنے پر سٹہ کھیلنا شروع کر دیا۔

شروع میں انہیں اس کھیل میں کافی منافع ہوا ـــــ وہ خوش تھے۔
کہ چلو میرے بیٹے کی اعلیٰ تعلیم کا خرچ ہی نکل آیا ـــــ مگر لالچ بڑی

بلا ہے انہوں نے یہ سمجھا کہ ان کی پشت پر چڑ گئی ہے ـــــ جیتتے ہی چلے جائیں گے۔

ان کا نہ دوست جس نے ان کو اس راستے پر لگایا تھا۔ بار بار ان سے کہتا تھا۔

"خانصاحب ـــــ ماشاء اللہ آپ قسمت کے دھنی ہیں ـــــ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالیں تو سونا بن جائے۔"

اور وہ اس قسم کی چاپلوسیوں کے ذریعہ خان بہادر سے سو دو سو روپے اینٹھ لیتا۔ خان بہادر کو بھی کوئی تکلیف محسوس نہ ہوتی اس لئے کہ انہیں بغیر محنت کے ہزاروں روپے مل رہے تھے۔

احمد دین ذہین اور باشعور لڑکا تھا ـــــ اس نے ایک دن اپنے باپ سے کہا۔

" اباجی۔ یہ آپ نے جو سٹہ بازی شروع کی ہے ـــــ معاف کیجئے گا۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہو گا ـــــ"

خان بہادر نے تیز لہجے میں اس سے کہا۔

" برخوردار تمہیں میرے کاموں میں دخل دینے کی جرأت نہیں ہونی چاہیئے میں جو کچھ کر رہا ہوں ٹھیک ہے ـــــ جتنا روپیہ آ رہا ہے وہ میں اپنے ساتھ قبر میں لے کر نہیں جاؤں گا۔ یہ سب تمہارے کام آئے گا۔"

احمد دین نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"لیکن اباجی یہ کب تک آتا رہے گا ـــــ ہو سکتا ہے کل کو یہ جانے بھی لگے۔"

خان بہادر بھنّا گئے۔

"بکو مت ـــــ آتا ہی رہے گا۔"

روپیہ آتا رہا ـــــ

لیکن ایک روز خان بہادر نے کئی ہزار روپے کی رقم داؤ پر لگا دی ـــــ لیکن نتیجہ صفر نکلا ـــــ دس ہزار ہاتھ سے دینے پڑے ـــــ تاؤ میں اگر انہوں نے بیس ہزار روپے کا سٹہ کھیلا ـــــ ان کو یقین تھا کہ ساری کسر پوری ہو جائے گی ـــــ لیکن صبح جب انہوں نے اخبار دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ بیس ہزار بھی گئے۔

خان بہادر ہمت ہارنے والے نہیں تھے انہوں نے اپنا ایک مکان گروی رکھ کر پچاس ہزار روپے لئے۔ اور سب کا سب اللہ کا نام لے کر چاندی کے سٹے پر لگا دیئے۔

" اللہ کا نام تو خیر اللہ کا نام ہے ـــــ وہ چاندی اور سونے کی مارکیٹ پر کیا کنٹرول کر سکتا ہے ـــــ صبح ہوئی تو خان بہادر کو معلوم ہوا کہ چاندی کا بھاؤ ایک دم گر گیا ہے ـــــ ان کو اس قدر صدمہ ہوا

کہ دل کے دورے پڑنے لگے۔

احمد دین نے ان سے کہا۔

"ابا جی ——— چھوڑ دیجئے اس بکواس کو ———"

خان بہادر نے بڑے غصہ میں اپنے بیٹے سے کہا۔

"تم بکواس مت کرو ——— میں جو کچھ کر رہا ہوں ٹھیک ہے"

احمد دین نے مودّبانہ کہا۔

"لیکن اباّجان ——— یہ جو آپ کو دل کی تکلیف شروع ہو گئی ہے اس کی وجہ کیا ہے ———"

"مجھے کیا معلوم ——— اللہ بہتر جانتا ہے ——— ایسے عارضے انسان کو ہوتے ہی رہتے ہیں ———"

احمد دین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا

"جی ہاں ——— انسان کو ہر قسم کے عارضے ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کی کوئی وجہ بھی تو ہوتی ہے۔" مثال کے طور پر اگر آپ کوئی ایسی چیز کھائیں جس میں ہیضے کے جراثیم ہوں۔ اور ———"

خان بہادر کو اپنے بیٹے کی یہ گفتگو پسند نہیں تھی۔

"تم چلے جاؤ یہاں سے ——— میرا مغز مت چاٹو ——— میں ہر چیز سے واقف ہوں ———"

احمد دین نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی غلط فہمی ہے ـــــ کوئی انسان بھی ہر چیز سے واقف ہونے کا دعوےٰ نہیں کر سکتا۔"

احمد دین چلا گیا۔

خان بہادر اندرونی طور پر خود کو بہت بڑا چغد سمجھنے گے تھے۔ لیکن وہ اپنے اس احساس کو اپنے لڑکے پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

بستر پر لیٹے انھوں نے بار بار خود سے کہا۔

"خان بہادر عطاء اللہ ـــــ تم خان بہادر بنے پھرتے ہو ـــــ لیکن اصل میں تم اوّل درجے کے بیوقوف ہو۔"

"تم اپنے بیٹے کی بات پر کان کیوں نہیں دھرتے ـــــ جبکہ تم جانتے ہو کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے صحیح ہے۔"

"جتنا روپیہ تم نے حاصل کیا تھا اس سے دوگنا زیادہ تم ضائع کر چکے ہو ـــــ کیا یہ درست ہے۔"

خان بہادر جھنجھلا گئے۔ اور بڑبڑانے لگے۔

"سب درست ہے ـــــ سب درست ہے ـــــ ایک میں ہی غلط ہوں لیکن میرا غلط ہونا ہی صحیح ہوگا ـــــ بعض اوقات غلطیاں بھی صحت کا سامان مہیا کر دیتی ہیں۔"

پندرہ دن بستر پر لیٹے اور علاج کرانے کا بعد جب وہ کسی قدر ہی تندرست ہوئے تو انہوں نے اپنا ایک اور مکان بیچ دیا ـــــ یہ پچیس ہزار روپے میں بکا۔

خانصاحب نے یہ سب روپے سٹے پر لگا دیئے ان کو پوری امید تھی کہ وہ اپنی اگلی پچھلی کسر پوری کر لیں گے۔ مگر قسمت نے یاوری نہ کی۔ اور وہ ان پچیس ہزار روپوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

احمد دین پیچ و تاب کھا کے رہ گیا ـــــ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ اپنے باپ کو کس طرح سمجھائے ـــــ وہ اس کی کوئی بات سنتے ہی نہیں تھے۔

احمد دین نے آخری کوشش کی

اور ایک دن جب اس کا باپ اپنے کمرے میں حقہ پی رہا تھا اور معلوم نہیں کس سوچ میں غرق تھا کہ اس نے ڈرتے ڈرتے مخاطب ہوا۔

"ابا جی ـــــ"

خان بہادر صاحب سوچ میں اس قدر غرق تھے کہ انہوں نے اپنے لڑکے کی آواز ہی نہیں سنائی

احمد دین نے آواز کو ذرا بلند کیا۔

" اباجی ــــ اباجی ــــ "

خان بہادر چونکے۔

" کیا ہے ــــ بہ "

احمد دین کانپ گیا ــــ

" کچھ نہیں اباجی ــــ مجھے ــــ مجھے آپ سے ایک بات کہنا تھی۔"

خان بہادر نے حقّے کی نڑی اپنے منہ سے جدا کی۔

" کہو کیا کہنا ہے "

احمد دین نے بڑی لجاجت سے کہا۔

" مجھے یہ عرض کرنا ہے ــــ یہ درخواست کرنا تھی ــــ کہ ــــ آپ سٹّہ کھیلنا بند کر دیں ــــ "

حقّے کا ایک زور دار کش لے کر وہ احمد دین پر برس پڑے ــــ "

" تم کون ہوتے ہو مجھے نصیحت کرنے والے ــــ میں جانوں میرا کام کیا اب تک تمہارے ہی مشورے سے میں سارے کام کرتا رہا ہوں ــــ دیکھو میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ آئندہ میرے معاملے میں کبھی دخل نہ دینا ــــ مجھے یہ گستاخی ہرگز پسند نہیں ــــ سمجھے ــــ "

احمد دین کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

" جی میں سمجھ گیا ــــ "

اور یہ کہہ کر وہ اپنے باپ کے کمرے سے نکل گیا۔

سٹے کی لت شراب کی عادت سے بھی کہیں زیادہ بری ہوتی ہے — خان بہادر اس میں کچھ ایسے گرفتار ہوئے کہ جائیداد تھی — سب کی سب اس خطرناک کھیل کی نذر ہو گئی۔

مرحوم بیوی کے زیور تھے — وہ بھی بک گئے — اور نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ ان کے دل کے عارضے نے کچھ ایسی شکل اختیار کی کہ وہ ایک روز صبح سویرے غسل خانے میں داخل ہوتے ہی دھم سے گرے اور ایک سیکنڈ کے اندر اندر دم توڑ دیا۔

احمد دین کو ظاہر ہے کہ اپنے باپ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا — وہ کئی دن نڈھال رہا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے — بی اے پاس تھا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا — مگر اب سارا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اس کے باپ نے ایک پھوٹی کوڑی بھی اس کے لئے نہیں چھوڑی تھی۔ مکان — جس میں وہ تنہا رہتا تھا — رہن تھا۔

یہاں سے اس کو کچھ عرصہ کے بعد نکلنا پڑا۔ گھر کی مختلف چیزیں بیچ کر اس نے چار پانچسو روپے حاصل کئے اور ایک غلیظ محلے میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔

مگر پانچ سو روپے کب تک اس کا ساتھ دے سکتے تھے زیادہ سے
زیادہ ایک برس تک بڑی کفایت شعاری سے گزارہ کر لیتا۔
لیکن اس کے بعد کیا ہوتا۔
احمد دین نے سوچا۔
مجھے ملازمت کر لینی چاہیئے۔"
چاہے وہ کیسی بھی ہو ـــــ پچاس ساٹھ روپے ماہوار مل جائیں ـــ تو
گزران ہو جائے گا ـــــ"
اس کی ماں کو مرے اتنے ہی برس ہو گئے تھے جتنے اس کو جیتے۔ احمد
دین نے حالانکہ اس کی شکل تک نہیں دیکھی تھی ـــــ نہ اس کو دودھ پینا
نصیب ہوا تھا ـــــ پھر بھی وہ اکثر اس کو یاد کر کے آنسو بہاتا رہتا ـــ!
احمد دین نے ملازمت حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی ـــ مگر کامیابی
نہ ہوئی ـــ اتنے بے روزگار اور بے کار آدمی تھے۔ کہ وہ خود کو اس بے
روزگاری اور بے کاری کے سمندر میں ایک سمجھتا تھا۔
لیکن اس احساس کے باوجود اس نے ہمت نہ ہاری ـــ اور اپنی تگ
و دو جاری رکھی۔
بہت دنوں کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اگر کسی افسر کی مٹھی گرم کی جائے
تو ملازمت ملنے کا امکان پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ مٹھی گرم کرنے کا مسالہ

کہاں سے لاتا۔

ایک دفتر میں جب وہ ملازمت کے سلسلے میں گیا۔ تو ہیڈ کلرک نے اس سے شفیقانہ انداز میں کہا۔

" دیکھو برخوردار ——— یوں خالی خولی کام نہیں چلے گا ——— جس آسامی کے لئے تم نے درخواست دی ہے اس کے لئے پہلے ہی دو سو پچاس درخواستیں وصول ہو چکی ہیں ——— میں بڑا صاف گو آدمی ہوں — پانچ سو روپے اگر تم دے سکتے ہو تو یہ ملازمت تمہیں یقیناً مل جائے گی ——"

اب احمد دین پانچسو روپے کہاں سے لاتا ——— اس کے پاس بمشکل بیس یا تیس روپے تھے۔

چنانچہ اس نے ہیڈ کلرک سے کہا۔

" جناب میرے پاس اتنے روپے نہیں ——— آپ ملازمت دلوا دیجئے تنخواہ میں سے آدھی رقم آپ لے لیا کریں۔"

ہیڈ کلرک ہنسا —

" تم ہمیں بیوقوف بناتے ہو ——— جاؤ چلتے پھرتے بنو ——"

احمد دین بہت دیر تک چلتا پھرتا رہا ——— مگر اسے اطمینان سے کہیں بیٹھنے کا موقعہ نہ ملا ——

جہاں جاتا۔ رشوت کا سوال سامنے ——— دنیا شاید رشوت ہی کی وجہ

سے عالم وجود میں آئی ہے ـــــ

شاید خدا کو کسی نے رشوت دی ہو اور اس نے یہ دنیا بنادی ہو۔
احمد دین کے پاس جب ایک پیسہ بھی نہ رہا تو مزدوری شروع کردی
بوجھ اٹھاتا اور ہر روز ایک دو روپے کما لیتا
مہنگائی کا زمانہ تھا ـــــ گو دونوں وقت کا کھانا بھٹیار خانے میں
کھاتا لیکن اسے کافی خرچ برداشت کرنا پڑتا۔
زیادہ سے زیادہ ایک آنہ بچ رہتا ـــــ
احمد دین مزدوری کرتا ـــــ مگر اس کے دل و دماغ پر رشوت کا چکر
گھومتا رہتا تھا ـــــ یہ ایک بہت بڑی لعنت تھی ـــــ اور وہ چاہتا تھا
کہ اس سے کسی طرح نجات حاصل کرے ـــــ اور مزدوری چھوڑ کر کوئی ایسی ملازمت
اختیار کرے جو اس کے شایان شان ہو ـــــ آخر وہ بی اے پاس تھا ـــــ فرسٹ
کلاس فرسٹ ـــ

اس نے سوچا کہ نماز پڑھنا شروع کردے ـــــ خدا سے دعا مانگے کہ وہ
اس کی سنے ـــ چنانچہ اس نے باقاعدہ پانچ وقت کی نماز شروع کردی۔ یہ سلسلہ
ایک وقت تک جاری رہا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔
اس دوران میں اس کے پاس تیس روپے جمع ہو چکے تھے۔ صبح کی
نماز ادا کرنے کے بعد وہ ڈاک خانے گیا۔ تیس روپے کا پوسٹل آرڈر لیا اور

لفافے میں ڈال کر ساتھ ہی ایک رقعہ بھی رکھ دیا ــــ جس کا مضمون کچھ اس قسم کا تھا۔

" اللہ میاں ــــ میں سمجھتا ہوں تم بھی رشوت لے کر کام کرتے ہو میرے پاس تیس روپے ہیں جو تمہیں بھیج رہا ہوں ــــ مجھے کہیں اچھی سی ملازمت دلوادو ــــ بوجھ اٹھا اٹھا کر میری کمر دوہری ہوگئی ہے "

لفافے پر اس نے پتہ لکھا۔

بخدمت جناب اللہ میاں ــــ مالک کائنات "

چند روز بعد احمد دین کو ایک خط جو کائنات اخبار کے ایڈیٹر کی طرف سے تھا اس کا نام محمد میاں تھا خط کے ذریعہ اس نے احمد دین کو بلایا تھا وہ کائنات کے دفتر گیا جہاں اس کو مترجم کی حیثیت سے سو روپیہ ماہوار پر رکھ لیا گیا ــــ !

احمد دین نے سوچا ــــ آخر رشوت کام آہی گئی۔

قیمے کی بجائے لوٹیاں

ڈاکٹر سعید میرا ہمسایہ تھا ـــــ اس کا مکان میرے مکان سے زیادہ سے زیادہ دو سو گز کے فاصلے پر ہوگا اس کی گراؤنڈ فلور پہ اس کا مطب تھا میں کبھی کبھی وہاں چلا جاتا ـــــ ایک دو گھنٹے کی تفریح ہو جاتی ـــــ بڑا بذلہ سنج، ادب شناس اور وضعدار آدمی تھا۔

رہنے والا بنگلور کا تھا ـــــ مگر بڑی شستہ و رفتہ اردو میں گفتگو کرتا تھا اس نے اردو کے قریب قریب تمام بڑے شعراء کا مطالعہ کچھ ایسے ہی انہماک سے کیا تھا کہ جس طرح اس نے ایم بی بی ایس کورس کی جملہ کتابوں کا۔

میں کئی دفعہ سوچتا کہ ڈاکٹر سعید کو ڈاکٹر بننے کی بجائے کسی بھی مضمون میں ایم اے ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنی چاہیئے تھی ـــــ اس لئے کہ اس کی افتاد طبع کے لئے یہ نہایت موزوں و مناسب ہوتی۔

چنانچہ میں نے ایک روز اس سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب آپ نے یہ پروفیشن کیوں اختیار کیا؟"

"کیوں ـــ"

میں نے ان سے کہا۔

"آپ اردو فارسی زبان کے بڑے اچھے پروفیسر ہوتے ——— بڑے ہر دلعزیز ——— طالب علم آپ کے گردیدہ ہوتے۔"

وہ مسکرایا۔

"ایک ہی بات ہوتی ——— نہیں ——— زمین و آسمان کا فرق ہوتا میں یہاں اپنے مطب میں بڑے اطمینان سے بیٹھا ہر روز کم از کم سو سوا سو روپے بنالیتا ہوں ——— اگر میں نے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کیا ہوتا تو مجھے کیا ملتا ——؟

زیادہ سے زیادہ چھ سات سو روپے ماہوار ——"

میں نے ڈاکٹر سے کہا۔ "بڑی معقول آمدنی ہے ——"

"آپ اسے معقول کہتے ہیں ——— سو روپے کے قریب تو میرا اپنا جیب خرچ ہے ——— آپ جانتے ہی ہیں —— کہ میں شراب پینے کا عادی ہوں اور وہ بھی ہر روز ——— قریب قریب پچھتر روپے تو اسی مد پر اٹھ جاتے ہیں ——— پھر سگریٹ ہیں ——— دوست یاروں کی تواضع ہے ——— یہ سب خرچ کیا ایک لیکچرر، پروفیسر ریڈر یا پرنسپل کی تنخواہ پورا کر سکتی ہے۔"

میں قائل ہو گیا۔

"جی نہیں ——— آپ ڈاکٹر نہ ہوتے ——— ادیب ہوتے مصوّر ہوتے۔"

میری بات کاٹ کر انھوں نے ایک چھوٹا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"اور فاقہ کشی کرتا ——" میں بھی ہنس پڑا۔

ڈاکٹر سعید کے اخراجات ماتحی بہت زیادہ تھے اس لئے کہ وہ کنجوس نہیں تھا —— اس کے علاوہ اسے اپنے مطب سے فارغ ہو کر فرصت کے اوقات میں دوست یاروں کی محفلیں جمانے میں ایک خاص قسم کی مسرت حاصل ہوتی تھی۔

شادی شدہ تھا —— اس کی بیوی بنگلور ہی کی تھی جس کے بطن سے دو بچے تھے۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا —— اس کی بیوی اردو زبان سے قطعاً ناآشنا تھی۔ اس لئے اسے تنہائی کی زندگی بسر کرنا پڑتی تھی۔ کبھی کبھی چھوٹی لڑکی آتی اور اپنی ماں کا پیغام ڈاکٹر کے کان میں ہولے سے پہنچا دیتی اور پھر دوڑتی ہوئی مطب سے باہر نکل جاتی۔

تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر سے میرا دوستانہ ہو گیا —— بڑا بے تکلف قسم کا۔ اس نے مجھے اپنی گزشتہ زندگی کے تمام حالات و واقعات سنائے! مگر وہ اتنے دلچسپ نہیں کہ ان کا تذکرہ کیا جائے۔

اب میں نے باقاعدگی کے ساتھ ان کے ہاں جانا شروع کر دیا میں بھی چونکہ بوتل کا رسیا تھا —— اس لئے ہم دونوں کی گاڑھی چھننے لگی۔

ایک دو ماہ کے بعد میں نے محسوس کیا —— کہ ڈاکٹر سعید الجھا سا رہتا ہے اپنے کام سے اس کی دلچسپی دن بدن کم ہو رہی ہے پہلے تو میں اسے ٹوکتا رہا آخر میں نے صاف لفظوں میں اس سے پوچھا۔

"یار سعید —— تم آج کئی دن سے کھوئے کھوئے سے کیوں رہتے ہو"

ڈاکٹر سعید کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی ۔ "نہیں تو ۔
"نہیں تو کیا ——— میں اتنا گدھا تو نہیں کہ پہچان بھی نہ سکوں کہ تم کسی ذہنی الجھن میں گرفتار ہو۔"

ڈاکٹر سعید نے اپنا وہسکی کا گلاس اٹھایا اور ہونٹوں تک لے جا کر کہا "محض تمہارا واہمہ ہے ——— یا تم اپنی نفسیات شناسی کا مجھ پر رعب گانٹھنا چاہتے ہو ———"

میں نے ہتھیار ڈال دیئے ——— حالانکہ اس کا لب ولہجہ صاف بتا رہا تھا کہ اس کے دل کا چور پکڑا جا چکا ہے۔ مگر اسے اپنی شکست کے اعتراف کا حوصلہ نہیں ——— بہت دن گزر گئے۔

اب وہ کئی کئی گھنٹے اپنے مطب سے غیر حاضر رہنے لگا۔ یہ جاننے میں کہ وہ کہاں جاتا ہے کیا کرتا ہے اس کی ذہنی پریشانی کا باعث کیا ہے میرے دل و دماغ میں بڑی کھدبد ہو رہی تھی۔ اب اتفاقاً اگر اس سے ملاقات ہوتی تو میرا بے اختیار جی چاہتا کہ اس سے ایک بار پھر وہ سوالات کروں جن کے جواب سے میری ذہنی الجھن دور ہو اور ڈاکٹر سعید کے عقب میں جو کچھ بھی تھا۔ اس کی صحیح تصویر میری آنکھوں کے سامنے آجائے۔ مگر ایسا کوئی تخلیئے کا موقعہ نہ ملا۔

ایک دن شام کو جب میں اس کے مطب میں داخل ہوا ——— تو اس کے نوکر نے مجھے روکا ———

"صاحب ابھی اندر نہ جایئے ——— ڈاکٹر صاحب ایک مریض کو دیکھ

رہے ہیں۔" تو دیکھا کریں۔ نوکر نے مودبانہ عرض کی۔
"صاحب ـــ وہ ـــ وہ ـــ میرا مطلب ہے ـــ کہ مریض عورت ہے۔"
"اوہ ـــ کب تک فارغ ہو جائیں گے ـــ اس کے متعلق تمہیں کچھ معلوم ہے۔" نوکر نے جواب دیا۔
"جی میں کچھ نہیں کہہ سکتا ـــ تقریباً ایک گھنٹے سے وہ بیگم صاحبہ کو دیکھ رہے ہیں ـــ" میں تھوڑے توقف کے بعد مسکرایا۔
"تو مریض کوئی خاص مریض معلوم ہوتا ہے ـــ"
اور یہ کہہ کر میں نے غیرارادی طور پر ڈاکٹر سعید کے کمرۂ تشخیص کا دروازہ کھول دیا۔ اور اندر داخل ہو گیا۔
کیا دیکھتا ہوں ـــ کہ سعید ایک ادھیڑ عمر کی عورت کے ساتھ بیٹھا ہے تپائی پر بیئر کی بوتل اور دو گلاس رکھے ہیں اور دونوں محو گفتگو ہیں سعید اور وہ محترمہ مجھے دیکھ کر چونک پڑے۔
میں نے ازراہ تکلف ان سے معذرت طلب کی اور باہر نکلنے ہی والا تھا کہ سعید پکارا۔ "کہاں چلے ـــ بیٹھو۔" میں نے سعید سے کہا۔
"میری موجودگی شاید آپ کی گفتگو میں مخل ہو"
سعید نے اٹھ کر مجھے کاندھوں سے پکڑ کر ایک کرسی پر بٹھا دیا ـــ"
"ہٹاؤ یار اس تکلف کو ـــ"

پھر اس نے ایک خالی گلاس میں میرے لئے بیئر انڈیلی اور اُسے میرے سامنے رکھ دیا۔ " لو پیئو۔۔۔"
میں نے دو گھونٹ بھرے تو سعید نے اس ادھیڑ عمر کی عورت سے جو لباس اور زیوروں سے کافی مالدار ہوتی تھی ۔۔۔ تعارف کرایا۔
" سلمےٰ رحمانی ۔۔۔ اور یہ میرے عزیز دوست سعادت حسن منٹو۔"
سلمےٰ رحمانی چند ساعتوں کے لئے مجھے بڑے غور اور تعجب سے دیکھتی رہی۔
" سعید ۔۔۔ کیا واقعی یہ سعادت حسن منٹو ہیں ۔۔۔ جن کے افسانوں کے سارے مجموعے میں بڑے غور سے ایک نہیں دو دو تین تین مرتبہ پڑھ چکی ہوں ۔۔۔" ڈاکٹر سعید نے اپنا گلاس اٹھایا
" ہاں وہی ہیں ۔۔۔ میں نے کئی مرتبہ خیال کیا کہ اس سے تمہارا غائبانہ تعارف کرادوں ۔۔۔ پر میں نے سوچا تم اس کے نام سے یقیناً واقف ہوگی ۔۔۔ شیطان کو کون نہیں جانتا ۔۔۔"
سلمےٰ رحمانی یہ سن کے پیٹ بھر کے ہنسی ۔۔۔ اور اس کا پیٹ عام پیٹوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی بڑا تھا۔
اس کے بعد مس سلمےٰ رحمانی سے کئی ملاقاتیں ہوئیں ۔۔۔ پڑھی لکھی عورت تھی۔ بڑے اچھے گھرانے سے متعلق تھی۔ تفتیش کرنے کے بغیر مجھے اس کے متعلق چند معلومات حاصل ہو گئیں کہ وہ تین خاوندوں سے

طلاق لے چکی ہے ——— صاحب اولاد ہے ——— جہاں رہتی ہے ——
اس میں دو چھوٹے چھوٹے کمرے اور ایک غسل خانہ ہے وہاں اکیلی رہتی
ہے غیر منقولہ جائیداد سے اس کی آمدن چار پانچسو روپے ماہوار کے
قریب ہے - ہیرے کی انگوٹھیاں پہنتی ہیں۔

ان انگوٹھیوں میں سے ایک میں نے دوسرے روز شام کو سعید
کی انگلی میں دیکھی۔

تیسرے روز کو ڈاکٹر سعید کے مطب میں سلطے رحمانی موجود تھی دونوں
بہت خوش تھے اور چہچہا رہے تھے ——— میں بھی ان کی بیئر نوشی
میں شریک ہو گیا۔

پچھلے ایک ہفتے سے میں دیکھ رہا تھا کہ ڈاکٹر سعید کے اندر کمرہ
تشخیص سے کچھ دور جو کمرے خالی پڑے رہتے ہیں ان کی بڑی توجہ
سے مرمت کرائی جا رہی ہے ——— ان کو سجایا بنایا جا رہا ہے - فرنیچر
جب لایا گیا تو وہی تھا جو میں نے سلطے رحمانی کے گھر دیکھا تھا۔

اتوار کو ڈاکٹر سعید کی چھٹی کا دن ہوتا تھا - کواڑ بند رہتے
تاکہ اس کو تنگ نہ کیا جائے -

مجھے تو وہاں ہر وقت آنے جانے کی اجازت تھی ——— ایک اور چور
دروازہ تھا اس کے ذریعہ سے میں اندر پہنچا ——— اور سیدھا ان دو کمروں

کا رُخ کیا —— جن کی مرمت کرائی گئی تھی ——!

دروازہ کھلا تھا —— میں اندر داخل ہوا تو حسبِ توقع ڈاکٹر سعید کی بغل میں سلمٰے رحمانی بیٹھی تھی۔

سعید نے مجھ سے کہا۔

"میری بیوی سلمٰے رحمانی سے ملو۔"

مجھے اس عورت سے کیا ملنا تھا —— سینکڑوں بار مل چکا تھا! لیکن اگر کسی عورت کی چوتھی شادی ہو تو اس کو کن الفاظ میں مبارک باد دینی چاہیئے —— اس کے بارے میں میری معلومات صفر کے برابر تھیں —— سمجھ میں نہ آیا کیا کہوں۔

لیکن کہنا بھی کچھ ضرور تھا —— اس لئے جو منہ میں آیا باہر نکال دیا۔

"تو آخر اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہو گیا ——"

میاں بیوی دونوں ہنسے ——

سعید نے مجھے بیٹھنے کو کہا۔ بیئر پیش کی اور ہم شادی کے علاوہ دنیا کے ہر موضوع پر دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

میں شام پانچ بجے آیا تھا —— گھڑی دیکھی تو نو بجنے والے تھے میں نے سعید سے کہا۔

"لو بھئی —— میں چلا —— باتوں باتوں میں اتنی دیر ہو گئی ہے اس کا مجھے علم نہیں تھا ——"

سعید کی بجائے سلمے رحمانی ــــ" معاف کیجئے گا سلمے سعید مجھ سے مخاطب ہوئیں ــــ"

"نہیں آپ نہیں جا سکتے ــــ کھانا تیار ہے ــــ اگر آپ کہیں تو لگوا دیا جائے ــ"

خیر سعید اور اس کی نئی بیوی کے پیہم اصرار پر مجھے کھانا کھانا پڑا ــــ جو بہت خوش ذائقہ اور لذیذ تھا۔

دو برس تک ان کی زندگی بڑی ہموار گزرتی رہی ــــ ایک دن میں ناسازئ طبیعت کے باعث بستر ہی میں لیٹا تھا کہ نوکر نے اطلاع دی:

" ڈاکٹر سعید صاحب تشریف لائے ہیں ــ"

میں نے کہا ــــ

" اندر ــــ جاؤ ان کو اندر بھیج دو ــــ"

سعید آیا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت مضطرب اور پریشان ہے ۔

اس نے مجھے کچھ پوچھنے کی زحمت نہ دی اور اپنے آپ بتا دیا کہ سلمے سے اس کی ناچاقی شروع ہو گئی ہے اس لئے کہ وہ خود سر عورت ہے کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتی ــــ میں نے صرف اس لئے اس سے شادی کر لی کہ وہ اکیلی تھی ــــ اس کے عزیز و اقرباء اسے پوچھتے ہی نہیں تھے جب وہ بیمار ہوئی ــــ اور یہ کوئی معمولی بیماری نہیں تھی ــــ ڈپتھریا تھا جسے خناق کہتے ہیں تو میں نے اپنا تمام کام چھوڑ کر اس کا علاج کیا

اور خدا کے فضل و کرم سے وہ تندرست ہو گئی ـــــ پر اب وہ ان تمام باتوں کو پس پشت ڈال کر مجھ سے کچھ اس قسم کا سلوک کرتی ہے جو بے حد ناروا ہے۔'

'تو آغاز کا انجام شروع ہو گیا تھا۔

چونکہ ڈاکٹر سعید کا گھر میرے گھر کے بالکل پاس تھی اس لئے ان کی لڑائیوں کی اطلاعات ہمیں مختلف ذریعوں سے پہنچتی رہتی تھیں۔

سلمٰی کے ساتھ دو نوکرانیاں تھیں، بڑی تیز طرار اور ہٹی کٹی ان دونوں دونوں کے شوہر تھے ـــــ وہ ایک طرح اس کے ملازم تھے ـــــ اس کے اشارے پر جان دے دینے والے ـــــ اور ڈاکٹر سعید بڑا نحیف اور مختصر مرد۔

ایک دن معلوم ہوا کہ ڈاکٹر سعید اور سلمٰی نے پی رکھی تھی۔ کہ آپس میں دونوں کی چخ ہو گئی ـــــ ڈاکٹر نے معلوم نہیں نشے میں کیا کہا کہ سلمٰی آگ بگولہ ہو گئی۔

اس نے اپنی دونوں نوکرانیوں کو آواز دی ـــــ وہ دوڑی دوڑی اندر آئیں سلمٰی نے ان کو حکم دیا کہ ڈاکٹر کی اچھی طرح مرمت کر دی جائے ایسی مرمت کہ ساری عمر یاد رکھے۔

یہ حکم ملنا تھا ـــــ کہ ڈاکٹر سعید کی مرمت شروع ہو گئی ـــــ ان دونوں نوکرانیوں نے اپنے شوہروں کو بھی اس سلسلے میں شامل کر لیا۔ لاٹھیوں

گھونسوں اور دوسرے تھرڈ ڈگری طریقوں سے اسے خوب مارا پیٹا گیا کہ اس کا کچومر نکل گیا۔

افشاں وخیزاں بھاگا وہاں سے اور اوپر اپنی پرانی بیوی کے پاس پہنچ گیا جس نے ایک مستعد نرس کی طرح اس کی خدمت شروع کر دی۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ اس نے دو کمروں کا رخ قریب قریب دو ماہ تک نہ کیا۔ اب وہ سلطانہ سے کسی قسم کا رشتہ قائم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہو گیا ـــــ سو ہو گیا ـــــ اب اس کو اپنے گھر سے بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی تھی ـــــ!

لیکن کبھی کبھی اسے یہ محسوس ہوتا کہ یہ عورت جس سے میں نے شادی کا ڈھونگ رچایا تھا ـــــ کیوں ابھی تک اس کے سر پر مسلط ہے ـــــ اس کے گھر سے چلی کیوں نہیں جاتی۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ایک دو ماہ اور گزر گئے۔

اس دوران میں ڈاکٹر سعید کو معلوم تھا کہ اس کا یوپی کے تاجر سے معاشقہ چل رہا ہے یہ شخص صرف نام ہی کا تاجر تھا ـــــ اس کے پاس کوئی دولت نہیں تھی۔

صرف ایک مکان تھا ـــــ جو اس نے ہجرت کرنے کے بعد اپنے نام الاٹ کرا لیا تھا۔

دونوں ہر روز شام کو میرے یہاں آتے ——— شعر و شراب کی محفلیں جمتیں ——— اور میرے سینے پر مونگ دلتی رہتیں ——"

ایک دن اس سے یہ کہے بغیر نہ رہا جا سکا۔

میں نے ذرا سخت لہجے میں اس سے کہا۔

" اول تو تم نے یہ غلطی کی ——— کہ سلمیٰ سے شادی کی ——— دوسری غلطی تم یہ کر رہے ہو کہ اسے اپنے گھر سے باہر نہیں کرتے ——— کیا یہ اس کے باپ کا گھر ہے ۔"

ڈاکٹر سعید کی گردن شرمساری کے باعث جھک گئی ———"

" یار چھوڑو اس قصے کو ۔"

" قصے کو تو تم اور میں دونوں چھوڑنے کے لئے تیار ہیں ——— لیکن یہ قصہ ہی تمہیں نہیں چھوڑتا ——— اور نہ چھوڑے گا جبکہ تم کوئی بھی مردانہ وار کوشش نہیں کرتے ——"

وہ خاموش رہا۔

میں نے اس پر ایک گولہ اور پھینکا

" سچ پوچھو تو سعید ——— تم نامرد ہو ——— میں تمہاری جگہ ہوتا تو محترمہ کا قیمہ بنا ڈالتا ——— اصل میں تم ضرورت سے زیادہ ہی شریف ہو ۔"

سعید نے نقاہت بھری آواز میں صرف اتنا کہا

"میں بہت خطرناک مجرم بھی بن سکتا ہوں ـــــ تم نہیں جانتے"
مینا نے طنزاً کہا۔

"سب جانتا ہوں ـــــ اس سے اتنی مار کھائی ـــــ اتنے ذلیل ہوئے ـــــ میں صرف اتنا پوچھتا ہوں کہ محترمہ تمہارے گھر سے جاتی کیوں نہیں ـــــ؟ اس پر اس کا اب کیا حق ہے"
سعید نے جواب دیا۔

"وہ چلی گئی ہے ـــــ اور اس کا سامان بھی ـــــ بلکہ میرا سامان بھی اپنے ساتھ لے گئی ہے ـــــ"
میں بہت خوش ہوا۔

"لعنت بھیجو اپنے سامان پر ـــــ چلی گئی ہے ـــ بس ٹھیک ہے تم خوش تمہارا خدا خوش ـــ چلو اسی خوشی میں وہ دو بیئر کی یخ بستہ بوتلیں پیئں ـــ جو میں اپنے ساتھ لایا ہوں ـــــ اس کے بعد کھانا کسی ہوٹل میں کھائیں گے۔

سلمٰی کے جانے کے بعد ڈاکٹر سعید کم از کم ایک ماہ تک کھویا کھویا سا رہا ـــــ اس کے بعد وہ اپنی نورمل حالت میں ہاتھ آگیا ـــــ ہر شام اس سے ملاقات ہوتی ـــــ گھنٹوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے اور ہنستے مذاق کرتے رہتے۔

کچھ دنوں سے میری طبیعت موسم کی تبدیلی کے باعث بہت مضمحل تھی۔

بستر میں لیٹا تھا کہ ڈاکٹر سعید کا ملازم آیا ــــ اس نے مجھ سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ کو یاد کرتے ہیں اور بلا رہے ہیں ــــ ایک ضروری کام ہے۔"

میرا جی تو نہیں چاہتا تھا ــــ کہ بستر پر سے اٹھوں ــــ مگر میں سعید کو ناامید نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے شیروانی پہن کر اس کے یہاں پہنچا ــــ!

مکان کے باہر دیکھا ــــ کہ چار دیگیں چڑھی ہیں ــــ!

قصائی دھڑا دھڑ بوٹیاں کاٹ کاٹ کر صف کے ایک ٹکڑے پر پھینکے چلا جا رہا ہے آس پاس کے کئی آدمی جمع تھے ــــ

میں سمجھا شاید کوئی نذر نیاز دی جا رہی ہے ــــ میں نے گوشت کا وہ بڑا سا لوتھڑا دیکھا ــــ جس پر کلہاڑی چلائی جا رہی تھی ــــ اسی کے ساتھ دو باہنیں تھیں ــــ! بالکل انسانوں کی مانند ــــ!

میں نے پھر غور سے دیکھا ــــ قطعی طور پر انسانی باہنیں تھیں ــــ سمجھ میں نہ آیا ــــ یہ قصہ کیا ہے۔

قصائی کی چھری اور کلہاڑی چل رہی تھی ــــ چار دیگوں میں پیاز سرخ کی جا رہی تھی ــــ اور میرا دل ــــ دماغ ان دونوں کے درمیان پھنستا اور دھنستا چلا جا رہا تھا ــــ کہ ڈاکٹر سعید نمودار ہوا مجھے

دیکھتے ہی پکارا۔

" آیئے ـــــ آیئے ـــــ آپ کے کہنے کے مطابق قیمہ تو نہ بن سکا۔ مگر یہ بوٹیاں تیار کرائی گئی ہیں ـــــ ابھی اچھی طرح بھونی نہیں گئیں۔ ورنہ میں آپ کو ایک بوٹی پیش کرتا ـــــ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ مرچ مصالحہ ٹھیک ہے یا نہیں۔"

" یہ سن کر پہلے مجھے متلی آئی ـــــ اور پھر میں بے ہوش ہو گیا ـــــ!"

سعادت حسن منٹو

ابھی تک پیتے پیتے سو گیا ہے!

میں اسے واحد ایسا ادیب اور افسانہ نگار سمجھتا رہا ہوں جس میں فن اور زبان کا برابر امتزاج ہے۔ راجندر سنگھ بیدی

منٹو! .... خدا تیرے قد میں اور زہر بھر دے۔ کرشن چندر

اگر مستقبل میں کوئی غیر جانب دار نقاد منٹو اور مشرقی وسطیٰ کے افسانہ نگاروں کی تخلیقات کا تجزیہ کرنے بیٹھے گا تو بجز منٹو کو پاکستان اور ہندوستان ہی کا نہیں پورے مشرقِ وسطیٰ کا سب سے بڑا فنکار قرار دینے پر مجبور ہوگا۔ رشید اختر ندوی

منٹو اپنے سوا کسی کو شاذ ہی مانتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو برصغیر کا سب سے بڑا افسانہ نگار مانتے تھے ان کا یہ دعوے کسی حد تک درست تھا۔ شورش کاشمیری

منٹو تو ادب کے علاوہ عمر بھر اپنی زندگی میں فن کا ملکے شبدے دکھاتا رہا۔ شراب بے تحاشہ پیتا رہا۔ مقدمے اس پر چلے۔ پاگل خانے تک جا پہنچا۔ برصغیر میں ادب کا جو "انڈر ورلڈ" ہے اس کا وہ عمدہ مصور تھا۔ تعجب ہے کہ اس کو Toulouse-Lautrec سے کیوں تشبیہ نہیں دی گئی۔ قرۃ العین حیدر

- منٹو پاکستان اور ہندوستان کی ان چند شخصیتوں میں سے ایک ہے جو مر بھی گئے اور نہیں بھی مرے۔ اسلئے اس کو ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہنے کو جی نہیں چاہتا۔ ابراہیم جلیس
- منٹو اپنے پیچھے بہت کچھ چھوڑ گیا ہے جو ادبی دنیا میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ممتاز شیریں
- منٹو ایسا نڈر، بے باک، صاف گو افسانہ نگار آج تک اردو ادب نے پیدا نہیں کیا۔ اور اس کی موت سے اُردو کا افسانوی ادب مفلس ہوگیا۔ شاہد احمد دہلوی
- منٹو اگر الگ ہے تو کوئی جماعت لوگوں کی نظر میں ادیبوں کی نمائندہ نہیں بن سکتی۔ محمد حسن عسکری
- منٹو کا فن اور نقطۂ نظر ہمیشہ اردو ادب کے پرستاروں میں بحث کا موضوع بنا رہے گا لیکن ایک بات پر سب متفق ہیں کہ وہ بہت عظیم افسانہ نگار تھا۔ سید احتشام حسین
- منٹو کے انتخابِ موضوع کے اختلاف کے باوجود میرے نزدیک وہ بہت بڑا فنکار تھا۔ علی عباس حسینی
- منٹو عہدِ حاضر کے افسانہ نگاروں کا ذہنی اور تخلیقی رہنما تھا۔ سید ابوالخیر کشفی
- منٹو ہمیشہ زندہ رہے گا اپنی تخلیقات کی وجہ سے۔ منٹو وقت اور زمانے کی دست بُرد سے بالاتر ہو چکا ہے۔ ...... ممتاز مفتی
- منٹو کا لفظ اب ایک اسم صفت بن گیا ہے اب یہ لفظ ایک خاص ادبی رجحان یا شخصیت کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ حامد جلال